کس کے یار آگئے!

ڈاکٹر شفیق اقبال



کس کی یاد آ گئی!

پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال
ایم اے انگلش، ایم اے اردو،
ایم فل (گولڈ میڈلسٹ)، پی ایچ ڈی

کتاب کا نام: کس کی یاد آ گئی!

شاعر: پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

تعداد: 500

کمپوزنگ: تنویر احمد

سرورق: اسلم کمال

طابع: ثنائی پریس سرگودہا

ناشر: پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

اشاعت: 2022ء

قیمت: -/500روپے

ملنے کا پتہ:

13۔لالہ زار (الفاروق کالونی) یونیورسٹی روڈ سرگودہا

فون: 03004489399, 048-3221532

email. iqbalsheikh68@yahoo.com

شاہد بخاری

651-D فیصل ٹاؤن لاہور

042-35161149, 03004855148

انتساب

اُن روشن دنوں اور چاندنی راتوں کے نام
جو نابینا بچوں کے سکول (اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور) میں گزرے
اور اپنے پیارے احباب مسعود الرحیم لون، قیصر حسنین زیدی
اور حافظ محمد رمضان کے ساتھ بیتائے اور
اپنے اساتذہ کرام سید باقر علی شاہ، ماسٹر اللہ بخش،
ماسٹر محمد حسین اور ماسٹر محمد شریف کے نام
جنہوں نے میرے بچپن کے شعور کو بالیدگی عطا کی

تم فقط ایک شعر کہتے تھے
میں نے دیوان لکھ دیا تم پر

فہرست

اچھے دِنوں کی کوئی نشانی تو پاس ہو
کالر میں اِک گلاب، اِک دیوانگی سہی

حرفِ سپاس

''کس کی یاد آ گئی!''میرا دسواں شعری مجموعہ ہے، جانے اتنے اشعار کیسے ہو گئے، اتنی غزلیں اور اتنی نظمیں کیسے تحریر ہو گئیں۔ شاید اس لئے کہ زندگی مجھ پر مسلسل حملہ آور ہوتی رہی ہے اس کی ہر یورش نے تخلیقی عمل کو جنم دیا۔ کوئی اور ہوتا تو چیخ و پکار کر کے زندگی کے زخموں کو مندمل کرنے کی سعی کرتا لیکن شاید میرے حصے میں چیخ و پکار کم آئی ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ چیخ و پکار نے شعری روپ دھار لیا ہے، کیوں دھارا، کیسے دھارا، اس ضمن میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ ویسے تو اس لایقینی احساسِ زیست میں یقین کہیں غائب ہو کر رہ جاتا ہے، شاید نہیں، یقین اور بے یقینی دونوں تخلیقی عمل کو جنم دیتے ہیں۔ بہر کیف اس کا فیصلہ میں ناقدین اور قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ میرے تخلیقی عمل کے عوامل و عناصر کیا رہے ہوں گے۔ ویسے کچھ کچھ تو مجھے بھی علم ہے۔ میں تو شعر کہتا رہا ہوں، نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہا ہوں، ماہنامہ سفید چھڑی کے اداریوں میں گرجتا برستا رہا ہوں لیکن یہ سارا عمل محض شعوری نہیں رہا بلکہ بڑی حد تک لاشعوری کہا جا سکتا ہے، مجھے معلوم ہے میرے شعری ارتقا کی کیا صورت رہی ہے کبھی کبھی مجھے یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ میں اپنے آپ کو دہرا تو نہیں رہا لیکن اگر دہرا بھی رہا ہوں تو قصور میرے احساساتی وفور کا ہے اور جذباتی گہرائی اور گیرائی کا ہے۔ ہم روزانہ خود کو دہراتے ہیں لیکن اگر اگلا دن گزشتہ دن سے زیادہ فعال ہو تو خیر ہے۔ جمالیاتی حس کا اپنا کردار ہوتا ہے اور یہ جمالیاتی حس شاید مجھے قدرے زیادہ عطا ہوئی ہے، کم از کم میں یہی سوچتا ہوں۔

شاعری میں یا کہہ لیجیے تخلیقی اظہار میں سعی وکاوش کا کردار کوئی زیادہ نہیں ہوتا، سب کچھ حالات کی دین ہوتا ہے، شاید بڑی حد تک آپ میرے حوالے سے تصور فرمائیں۔ ''کس کی یاد آ گئی!'' کی اشاعت کے حوالے سے میں اپنے بہت سے احباب کا ممنون ہوں جن میں شاہد بخاری، سعید احمد بوٹہ، چوہدری محمد اکبر کے علاوہ میں ممنون ہوں ڈاکٹر احسان اکبر صاحب، ڈاکٹر ریاض مجید صاحب اور نسیم سحر صاحب کا جنہوں نے اپنی گراں قدر آرا سے نوازا اور مفید مشورے دیئے۔ میں تحسین فراقی صاحب اور نثار ترابی صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے دریا کو کوزے میں بند کر کے ''کس کی یاد آ گئی!'' کے فلیپس تحریر کئے۔ میرے اور بہت سے ساتھی ہیں کہ جن کا تعاون مجھے حاصل نہ ہوتا تو میں کچھ بھی حاصل نہ کر پاتا ان میں نسیم الغنی اور شاہد اسلام دانش جیسے احباب شامل ہیں۔ لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ میں اپنے ساتھی تنویر احمد کا خاص طور پر سپاس گزار ہوں کہ وہ میرے تمام کلام کو لکھتے اور کمپوز کرتے رہے اور طباعت واشاعت کے مراحل میں اپنا کردار ادا کیا۔ ہاں! کتاب کا سرورق کتاب کی روحِ رواں ہوتا ہے اور اس روحِ رواں میں رنگ بھرنے والے محترم اسلم کمال صاحب کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے انتہائی علالت کے باوجود بڑی خوش دلی سے ٹائٹل کے لئے وقت نکالا۔

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

یکم جنوری 2022ء

شیخ محمد اقبال کی شاعری کا دوسرا قدم

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال زیرِ نظر مجموعہ کلام ان کی امنگوں کی تصویر بھی ہے اور ان کے ماحول اور احوال کا آئینہ دار بھی، یہاں محض خیال وخواب کی باتیں نہیں ہیں ایک حوصلہ مند دل کی روداد ملے گی، ایک باعمل آرزومند کا سفرِ حیات بھی ملے گا۔ بصارت میں دشواری کو انہوں نے معذوری نہیں بننے دیا۔

تو نے جس کو آپ بنایا، آگے اسی کے سب کو جھکایا
کہاں گیا وہ تیرا انساں، میرے مولا میرے مولا!

یہ شعر سب کے لئے مانگنے والا ہے صرف اپنی بات نہیں کرتا، اللہ کے حضور یوں عرض کرتا ہے:

اپنے کرم کی بارش کر دے ننگوں بھوکوں کے گھر بھر دے
تیرے لئے یہ کام ہے آساں میرے مولا میرے مولا

انہیں زندگی کے غموں کی ہلاکت خیزی یاد ہے کہتے ہیں

زندگی کو غمِ زندگی کھا گیا
موت کا تو فقط اک بہانہ بنا

زندگی کے غموں کی ابتداء وہیں سے ہو جاتی ہے جہاں ہمارے لئے کسی فطری نعمت سے محرومی رونما ہو جائے۔ ملٹن کو اس کا تجربہ ہوا تو اس نے کہا کہ جب روشنی ہی نہ دی گئی تو دن کی مزدوری بھی کیسے مجھ سے لی جائے گی! نابینا تو خدمت کرنے سے قاصر رہے

گا۔وہ کہتا ہے

And how can god exact day labour light denied!

اب ذرا ایک نظر سے معذور فرد جس تجربے سے ہر قدم دوچار ہوتا ہے اس تجربہ کی پرچھائیں اس شعر میں دیکھئے۔

کیا خبر کیسے واپسی ہو گی
جانے ہم کس جگہ نکل آئے

یہ تجربہ بھی دیکھئے:

بڑے ٹیڑھے میڑھے تھے راستے بڑی دُور تھیں مری منزلیں
کبھی گر پڑا، کبھی اُٹھ گیا، کوئی رَنج ہے نہ ملال ہے

اور پھر وہ غزل جو "تماشا" کی ردیف میں ہے ساری اس منفی تجربے کی روداد ہے

ہر جیت مری کھیل، مری ہار تماشا
خود کار تماشا کبھی بے کار تماشا

اور یہ بے بسی کہ

ہر شخص مرے گھر میں چلا آتا ہے بے خوف
دروازہ تماشا ، مری دیوار تماشا

اور یہ بھی کہ

ہر چیز کی قیمت مری قیمت سے بڑی تھی
میں بن کے رہا برسر بازار تماشا

یہ لوگ جو Visually Handicapped کہلاتے ہیں۔زبردست حوصلہ کے زور سے روز کی زندگی سے ہر روز گزرتے ہیں۔حوصلہ دیکھئے:

کیا پوچھتے ہو مجھ سے مرے پاس کیا رہا
ہمت رہی، امید رہی ، حوصلہ رہا
ہارا ضرور، ہار کے ہارا نہیں کبھی
خواہش رہی، خروش رہا ، ولولہ رہا
یہ ٹھیک ہے کہ کوئی بھی منزل نہ مل سکی
یہ کم ہے ،زندہ رہنے میں جو دل لگا رہا

جب ایک صلاحیت کم ہو تو زندہ رہنے کا حوصلہ کرنے والا اس طاقت کے بغیر جینے کا رستہ نکالتا ہے رونا نہیں روتا،سو شیخ اقبال کہتے ہیں

میں نے زندگی اپنی اپنے ڈھب سے کاٹی ہے
کل بھی تھا مرا اپنا آج بھی ہے مرے پاس

پھر وہ منزلِ اعتماد مل جاتی ہے کہ محرومی کے باوجود قدم اعتماد سے اُٹھتا ہے، کس جرأت سے وہ کہتے ہیں:

وہ جنہیں اجالوں میں کچھ نظر نہیں آتا
ان کی ساری آنکھوں کی روشنی ہے میرے پاس

گویا نظر رکھنے والوں کی بےنظری کو بڑے لطیف طریقے سے نمایاں کر دیا۔دیکھنے کے ناتے ان کی جو معذوری ہے اس کے ہوتے ہوئے "نظر" سلامت ہے کس عمدگی سے کہہ دیا۔

مناظر ادھر ہیں مناظر ادھر ہیں
تھکی جا رہی نظر چلتے چلتے

شاعر والی "نظر" جو انہیں نصیب ہے وہ تو کسی صورت کوتاہ دست ہوتی ہی نہیں۔سو وہ "دیکھتے" کہتے ہیں اور کہتے ہیں۔

وہی ہیں تیر نظروں کے وہی ناوک اداؤں کے
قیامت ہے ہر اک جلوہ ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

یہی نظر دھیان، خیال اور تصور بن جاتی ہے تو کہتے ہیں

فقط ایک تنہائی دیکھوں جدھر بھی
کہاں کھو گئے ہم سفر چلتے چلتے

جب کبھی دیکھ لی پیاری صورت
لوٹ آئی وہ جوانی توبہ

ان کی جوانی کے ماتے یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ گل رخوں اور رنگیں اداؤں کے درمیان نہ گزرنے کے باوجود مستی اور سرمستی میں ضرور ڈوبی رہی ہے، حافظ انصر لدھیانوی جو نظر سے محروم تھے کہا کرتے تھے۔

اک دکھاوے کی نظر صرف مرے پاس نہیں
یہ غلط ہے کہ مجھے حسن کا احساس نہیں

خواب کے لئے تو نظر کی شرط نہیں، سو وہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "میرے بھی ہیں کچھ خواب" سو انہوں نے کہا کہ قومی سفر درست سمت میں ہو رہا ہے نہ درست طریقے سے، سنیئے

یہ جو منزلیں ہیں فریب ہیں یہ جو راستے ہیں سراب ہیں
میں کہاں نکال کے پھینک دوں مری آنکھ میں وہ جو خواب ہیں

اب ان ساری دشواریوں میں سفر کرتے شاعر کے بعض غزلیہ اشعار ملاحظہ ہوں کہ جن کا موضوع زندگی ہے:

دو چار دن کی بات تھی اور بات تھی بھی کیا
ہم نے تو زندگی یونہی سر پر سوار کی

زیست مت پوچھ کہ کیا ہوتی ہے
سانس لینے کی سزا ہوتی ہے

ایک آسیب تو میں خود بھی ہوں
ایک آسیب ڈراتا ہے مجھے

حلقہ بگوش اور ترقی بدوش سارے شاعر زندگی پکارتے رہے۔ ایک زندگی کی تصویر کشی اقبال صاحب نے کی، یہ کتنی حقیقی، کتنی جگرداری سے گزاری ہوئی زندگی تھی، یقیناً یہ بڑے حوصلے کی بات ہے۔ اللہ حوصلہ بلند رکھے۔

ڈاکٹر احسان اکبر
(اسلام آباد)

کس کی یاد آ گئی!_____ پر ایک نظر

پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا شعری مجموعہ "کس کی یاد آ گئی!" ان کی شخصیت اور کردار کے جمالیاتی پہلوؤں کا آئینہ دار ہے شیخ صاحب کئی عشروں سے رفاہی اور سماجی کاموں سے جُوے ہوئے ہیں ان کی نثری اور شعری تخلیقات کی تعداد بیس سے زائد ہیں ان کے علمی و ادبی کارناموں کے اظہار کے اور بھی کئی رخ ہیں یا یوں کہئے کہ ان کی مصروفیات ایک فرد کی نہیں ایک ادارے کی سی ہے وطن عزیز میں بے بصر افراد کی فلاح و بہبود اور تعلیم و ترقی کے لئے ان کی کوششوں کی پذیرائی عالمی سطح پر کی گئی ہے یہ مختصر سا مضمون ان کی متنوع مصروفیات، خدمات اور منصوبوں کا متحمل نہیں ہو سکتا ان کی ادبی تصانیف کا کتاب وار مطالعہ بھی ایک جداگانہ تحقیقی مقالے کا موضوع ہے، ہم اس مضمون میں صرف ان کی شعری شخصیت کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے خصوصاً ان کی زیرِ طبع کتاب "کس کی یاد آ گئی!" کی روشنی میں ___جو ان کے گزشتہ شعری مجموعوں ساحلِ تشنہ لب (۱۹۸۲ء)، سوالیہ نشان (۱۹۸۹ء) ،اک ہم سفر اچھا لگا (۱۹۹۸ء) ، تلاوت دل: مجموعہ حمد و نعت (۱۹۹۸)، Love's No Crime (۲۰۰۵) ، یہ کافر دل نہیں مانا (۲۰۰۷ء)، اس کے نام (۲۰۱۴)، نہ عشق نوں لیکاں لائیں (۲۰۱۶)، ابھی زندگی کا جواز ہے (۲۰۱۷) کے بعد شائع ہو رہی ہے۔

ان کی متعدد نثری اور شعری کتابوں کے بعد یہ مجموعہ ان کے سابقہ کام کی اگلی منزلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ وہ اپنی ہمہ وقتی دیگر مصروفیات کے باوجود اپنے اندر کی اس دنیا سے غافل نہیں جو خیال و خواب کے منطقوں کے

سفر سے تعلق رکھتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ان کے اندر کی دنیا کبھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئی بقول پروین شاکر

؎ وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا ___ کے مصداق اُن کے شعری تجربے ان کی وہ جذباتی پناہ گاہ ہیں جس میں آرام کرنے اور تسکین حاصل کرنے کے لئے وہ اپنی دوسری سماجی اور رفاہی مصروفیات کے بعد کبھی کبھار ادھر آ نکلتے ہیں وہ لوگ جن کی زندگی کا مشن خدمت عوام ہو اور جن کے روز و شب کے سبھی معمولات اپنے مشن کے لئے وقف ہوں وہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان مصروفیات میں اپنے محبوب ذریعہ اظہار یعنی شعر و شاعری کے لئے وقت نکالنا کتنا مشکل مگر کتنا سکون بخش ہو جاتا ہے۔

شیخ اقبال نے 'کس کی یاد آ گئی؟' میں جو شاعری کی ہے اس کے مضامین و موضوعات متنوع ہیں سماجی و معاشرتی، عمرانی و اقتصادی، تہذیبی و ثقافتی، سیاسی و مزاحمتی ___ تجربوں کا ایک شہر اُن کے مجموعے میں آباد ہے اگرچہ اس کتاب کا ایک نمایاں حصہ محبت کے عالمگیر تجربے اور وصال و ہجر کی کیفیات کے تناظر میں اپنی معنویت آشکار کرتا ہے مگر انہوں نے سماجی اور معاشرتی مسائل پر بھی بڑی دردمندی سے شاعری کی ہے شیخ اقبال کی شاعری کا بڑا وصف اُن کے شعری تجربوں میں ان کی ذات کی شمولیت ہے ان کے تجربے تخیلاتی تجربے نہیں اُن کی اپنی ذات کا احوال نامہ ہیں بقول شاعر

وہی کہا ہے جو محسوس کر لیا ہے ریاضؔ
مری بیاض میں حوروں کے واقعات نہیں

یہ شعر احمد ریاض مرحوم (۱۹۵۸ء) کی کتاب 'موجِ خوں' کا ہے جو ساحر لدھیانوی کے دوستوں میں شامل تھے ساحر نے بھی اس سے ملتا جلتا ایک شعر کہا ہے:

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

شیخ اقبال کی شاعری کے اندر بھی جو تجربے جھلک رہے ہیں وہ اسی زندگی کا عکس ہیں جو انہوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر گزاری یا محسوس کی ہے وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کا مفہوم اور دائرہ عمل بھی پھیلتا اور پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے آج کا حساس انسان ایک زندگی میں کئی تجربے کرتا ہے یا یوں کہیئے ایک زندگی میں کئی زندگیاں گزارتا ہے اس کی حساسیت اسے ذاتی، علاقائی اور آفاقی سطح پر کئی تجربوں سے گزارتی ہے یا یوں کہیئے اس کی شاعری اس کے ذاتی احوال نامہ ہونے کے ساتھ ساتھ جگ بیتی سے بھی عبارت ہوتی ہے "کس کی یاد آ گئی!" کے یہ شعر دیکھئے:

کوئی دو روٹی کو روئے، راتوں کو فٹ پاتھ پہ سوئے
عیش اڑائیں میر و سلطاں، میرے مولا میرے مولا!

مری زندگی! تیرا شکریہ کوئی رنج ہے نہ ملال ہے
جو دیا خوشی سے وہ لے لیا کوئی رنج ہے نہ ملال ہے

زندگی کو غمِ زندگی کھا گیا
موت کا تو فقط اک بہانہ بنا

ہم نے مڑ کر عمر بھر دیکھا نہیں
چل پڑے تو عمر بھر چلتے رہے

میں بھو کے شہر میں کیا خاک جیتا
مجھے میرے دل و جاں کھا گئے ہیں

انہوں نے اپنی غزلوں میں ردیف کا خوبصورت استعمال کیا ہے۔ ردیف جیسا کہ اہل فن جانتے ہیں شاعر کی جذباتی فضا کو مربوط اور منضبط (Sizeable) کرتی ہے یوں لمبی ردیف پوری غزل میں اس جذباتی کیفیت کو آگے بڑھانے کا سبب بنتی ہے۔ شیخ اقبال کی کتنی غزلوں میں ردیف دو تہائی یا نصف مصرع کے قریب طویل ہے۔ یہ طوالت ان کی جذباتی کیفیات شاعری کو شعر بہ شعر ایک موضوعاتی تسلسل عطا کرتی ہے یوں ان کی کئی غزلوں پر غزل مسلسل کا گماں گزرتا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے جو غزل کو نظم کی سی معنوی وحدت عطا کرتے نظر آتے ہیں۔

بروٹس اور سیزر کا ڈرامہ روز ہوتا ہے
وہی ہر روز کا قصہ، ابھی کچھ بھی نہیں بدلا
ابھی تک حکمرانی زندگی پر بھیڑیوں کی ہے
ابھی ہر شہر ہے صحرا ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

جانے کتنے خار چبھے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے؟
جانے کتنے پھول چنے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے؟
ہاتھ میں تھامے ہاتھ کسی کا، دل میں سجائے خواب کسی کے
کتنی دور، اور کتنے چلے ہیں، سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے؟

اسی انداز کی ایک اور غزل کے چند شعر دیکھئے یہ ایک لفظ کے علاوہ تقریباً ساری کی ساری ردیف پر مشتمل ہے اور اپنی طرز کا ایک انوکھا تجربہ بھی، دیکھئے تیزی سے گزرتی ہوئی

زندگی اور بہت کچھ کرنے کی خواہش کا اظہار کتنی خوبصورتی سے ہوا ہے۔

کئی بیان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے
کئی احسان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے
ابھی تو عشق کا آغاز ہے، آغاز اچھا ہے
بڑے میدان باقی ہیں، مجھے کچھ اور جینا ہے
بہت سے خواب ہیں جو ہر گھڑی بے تاب رکھتے ہیں
کئی ارمان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے
بہت سی آندھیاں ہیں ، جن کا استقبال کرنا ہے
ابھی طوفان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے
وہ جن سے مل کے میری زیست کی تکمیل ہوتی ہے
کئی انسان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے
قویٰ میں اب بھی ہمت ہے ستاروں کو اچکنے کی
مرے اوسان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

انہوں نے نظم میں بھی اپنے جذبات و واردات کا اظہار کیا ہے ان کی نظمیں واضح اور موثر ہیں، آزاد نظم کی ہیئت میں ہیں اور جذباتی بہاؤ سے بھرپور ــــ وہ پڑھنے والے پر اپنا گہرا تاثر چھوڑتی ہیں ۔غزل کی نسبت ان کی نظموں میں شعری تجربات کا اظہار پڑھنے والے پر زیادہ اثرات چھوڑتا ہے ۔ان کی دو نظموں کی کچھ لائنیں دیکھئے:

شام کی ساعتیں وجد میں آگئیں
رات نے چاندنی کی قبا پہن لی
دل میں رنگین ارماں مچلنے لگے

پیار کے روز و شب یاد آنے لگے
دل دھڑکنے لگا
روح نغمہ سرا
میرے آنگن میں تھی ہر طرف روشنی
جانے کیا ہو گیا میں کہاں کھو گیا
کس کی یاد آگئی!
کس کی یاد آگئی!

(نظم: کس کی یاد آگئی!)

موت کا خوف تم کو لاحق ہے
تم پریشاں ہو تم نہیں ہو گے
جانے دنیا وہ کیسی دنیا ہو
جانے کب تک وہاں قیام رہے
جانے کیا کیا خیال آتے ہیں
ہاں مگر اس جہاں سے پہلے تم کچھ بتاؤ نا
تم کہاں پہ تھے
جانے کتنا طویل تھا عرصہ
جانے کتنے زمانے گزرے تھے
تم کو اس کی کوئی خبر ہی نہیں
اس کے بارے کبھی نہیں سوچا

اس طرف کوئی در کھلا ہی نہیں
آنے والے جہاں سے خائف ہو
خوف کا کوئی بھی جواز تو ہو
کیوں پریشاں ہو جو بھی ہو سو ہو
وہ جو ہونا ہے ہو کے رہنا ہے
جتنے دم ہیں ہنسی خوشی کاٹو
اور خوشیاں جہاں میں بانٹو
جینا مرنا ہمارے بس میں نہیں
کوئی شے اپنی دسترس میں نہیں

(نظم: نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم)

بحیثیت مجموعی 'کس کی یاد آ گئی!' شیخ اقبال کے شعری اثاثے میں ایک خوشگوار اضافہ ہے اور ایک حیرت کا باعث بھی ___ حیرت اس بات کی کہ وہ اپنی گوناگوں اور متنوع سماجی مصروفیات میں شاعری کے لیے کیسے وقت نکال لیتے ہیں؟ مجھے امید ہے اہلِ ذوق میں ان کا تازہ شعری مجموعہ دلچسپی اور محبت سے پڑھا جائے گا۔

ڈاکٹر ریاض مجید
ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز
رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس، فیصل آباد

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کو "کس کی یاد آ گئی!"

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایک مسلسل اور ان تھک لکھنے والے ادیب ہیں شاعری اور نثر دونوں میدانوں میں ان کا قلم رواں رہتا ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ان کا تخلیقی سفر عمر کے کسی مرحلے پر بھی کبھی رکا نہیں۔

ان کا تازہ ترین مجموعہ "کس کی یاد آ گئی" دیکھا تو یہ بھی احساس ہوا کہ ان کی شاعری کا سفر اسی لئے نہیں رُکا کہ انہیں اب بھی "کسی کی" یاد آ رہی ہے۔ "کس کی یاد آ گئی" میں گویا کسی ایک ہی شخص کی جانب اشارہ ہے۔ اُف! یہ کس کی یاد آ گئی کہ میرے قلم سے عشق و محبت، ہجر و وصال کی کیفیات والے شعر تخلیق ہونے لگے! ماضی میں بھی انہوں نے اسی یاد کے سہارے اپنا شعری سفر جاری رکھا اور موجودہ مجموعہ دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ زندگی جوں جوں آگے بڑھ رہی ہے "اس" کی یاد میں بھی اتنی ہی زیادہ شدت پیدا ہو رہی ہے اور نتیجے میں ان کی شاعری میں بھی مزید رچاؤ، مزید کسک اور مزید حسن پیدا ہو رہا ہے جس کی یاد آ رہی ہے اسی نے ان کے تخلیقی سفر کو مہمیز لگائی ہوئی ہے۔

تم فقط ایک شعر کہتے تھے
میں نے دیوان لکھ دیا تم پر

چنانچہ اس کی یاد میں ڈاکٹر شیخ اقبال کا ایک اور شعری مجموعہ ہمارے سامنے ہے اس مجموعے میں مجھے ان کی ایک نظم نے چونکا دیا جس کا عنوان ہی "کس کی یاد آ گئی!" ہے

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس نظم کو ان کی ہی نہیں بلکہ مجموعی طور پر اُردو کی اچھی رومانی اور ہجریہ کیفیات کی نظموں میں شمار کیا جا سکتا ہے اس نظم کی کل ۲۳ لائنوں میں چھ مرتبہ ''کس کی یاد آ گئی!'' کی تکرار نے اس نظم میں ایک ایسا حسن پیدا کر دیا ہے کہ قاری بدستور اس کیفیت میں مسحور ہو جاتا ہے اور سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کو کس کی یاد نے ایسا بے چین کر دیا ہے کہ ایک ہجریہ کیفیت کے اندر سے انہوں نے نشاطیہ لمحات کشید کر لئے ہیں۔ ذرا اس نظم کی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

کس کی یاد آ گئی!
کس کی یاد آ گئی!
نغمہ زن ہو گئی دل شکستہ فضا
مسکرانے لگے بام و در اس طرح
جیسے آنگن میں فصلِ بہار آ گئی
........دل دھڑکنے لگا
روح نغمہ سرا
میرے آنگن میں تھی ہر طرف روشنی
جانے کیا ہو گیا میں کہاں کھو گیا
کس کی یاد آ گئی!
کس کی یاد آ گئی!

اس نظم کا ذکر چھڑا ہے تو ان کی اس کتاب میں شامل دیگر کئی نظمیں بھی بہت عمدہ اور ان کی قادر الکلامی کی توثیق کرنے والی ہیں۔ بلکہ میں نے جب ان کے مسودے کی خواندگی مکمل کی تو میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ نظم اور غزل دونوں میں سے کون

سی صنفِ سخن میں بہتر اظہار کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نظمیں بھی اپنے موضوع پر کمال کی گرفت کے ساتھ مکمل ہوتی ہیں اور ان میں نظم کا آہنگ اور اسلوب واضح ہوتا ہے۔ غزل اور نظم کی لفظیات اور ٹریٹمنٹ میں جو نازک سا فرق ہوتا ہے شیخ اقبال اس کا پورا پورا خیال اور التزام سامنے رکھتے ہیں ان کی نظموں میں اختصار بھی ہے بلکہ کئی نظموں میں تو بات پہلے ہی تین مصرعوں میں ادا ہو جاتی ہے جیسے ''کون کہتا ہے مختصر ہے حیات'' کی نظم اپنی جگہ بھرپور ہے مگر اصل بات پہلے ہی تین مصرعوں میں مکمل ہو رہی ہے:

کون کہتا ہے مختصر ہے حیات
کتنی لمبی ہیں ہجر کی راتیں
درد کے دن پہاڑ لگتے ہیں

اس حوالے سے ان کی ایک سہ مصرعی نظم دیکھئے کہ محض تین مصرعوں میں کتنی بڑی کہانی بیان کر رہے ہیں:

زیست سفر میں کوئی لمحہ
ایک زمانہ بن جاتا ہے
ایک فسانہ بن جاتا ہے

اب ان کی غزل کی جانب آتا ہوں۔ ڈاکٹر شیخ اقبال کی غزلوں کا ایک نمایاں وصف طویل ردیفوں میں غزل کہنا ہے اور صاحبو خیال رہے کہ طویل ردیفوں میں اس انداز سے غزل کہنا کہ ردیف شعر کے موضوع سے پوری طرح جڑی ہوئی نظر آئے کوئی آسان کام نہیں ہے یوں جانئے کہ یہ لمبے فاصلے کی دوڑ ہے جس میں اگر راستے ہی میں سانس پھول جائے تو بات ہی نہیں بنتی۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ وہ طویل ردیفوں کے بادشاہ ہیں اور ان ردیفوں کے ساتھ جو نئے نئے موضوعات نکالتے ہیں ان میں ان کی ردیفیں شعر کا حصہ بن

جاتی ہیں، الگ سے ٹھونسی ہوئی ردیفیں نہیں ہوتیں۔ یہ ریاضتِ فن کی برکات وتوفیقات ہیں۔ان کا یہی کمال ان کی ایک حمدِ باری تعالیٰ میں بھی جھلک رہا ہے جس میں ایسی تکراری کیفیات ہیں کہ اس نے اس حمد میں دعائیہ اور مناجاتی انداز کو دوبالا کر دیا ہے:

کیوں میں کسی کے در پہ جاؤں، ہر پل ہر جا سر کو جھکاؤں
پاس ترے ہر درد کا درماں ، میرے مولا میرے مولا!
کوئی کہے مری قسمت کھوٹی، کوئی پکارے روٹی روٹی
کوئی لٹائے نیلم و مرجاں، میرے مولا ، میرے مولا

اب غزلوں میں ان کی طویل ردیفوں والے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مری زندگی تیرا شکریہ کوئی رنج ہے نہ ملال ہے
جو دیا خوشی سے وہ لے لیا، کوئی رنج ہے نہ ملال ہے
کوئی مجھ سے آگے نکل گیا ، میں کسی سے آگے نکل گیا
کوئی میرے ساتھ نہ چل سکا، کوئی رنج ہے نہ ملال ہے

جانے کتنے خار چبھے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے
جانے کتنے پھول چنے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے
ہر اک رستہ ہماری زیست کا مقتل کو جاتا ہے
وہی ہے آج جو کل تھا، ابھی کچھ بھی نہیں بدلا
بروٹس اور سیزر کا ڈرامہ روز ہوتا ہے
وہی ہر روز کا قصہ ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

میں ہزاروں صدیوں سے مبتلائے وبالِ ہجر و وصال ہوں
ہے ہنوز جاری یہ سلسلہ کبھی دل گیا کبھی جاں گئی

کئی پیمان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے
کئی احسان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے
قویٰ میں اب بھی ہمت ہے ستاروں کو اچکنے کی
مرے اوسان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

طویل بحروں کے ساتھ ساتھ وہ مختصر بحر میں جب غزل کہتے ہیں تو گویا چند الفاظ میں اپنا پورا مضمون بیان کر دیتے ہیں اور سہلِ ممتنع خاص طور پر ان کی مختصر بحروں کی غزلوں میں نکھر کر سامنے آتا ہے:

ایک پل نے بنا دیا مجھ کو
ایک پل نے مٹا دیا مجھ کو
اتفاقاً مرے کھلونوں نے
اک کھلونا بنا دیا مجھ کو

پیار کرنا نہ بھول کر یارو!
آدمی ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے

میرے گلشن میں جہاں مہکے گلاب
خاروخس بھی پھولتے پھلتے رہے

ہوئی شام اپنی سحر چلتے چلتے
اِدھر چلتے چلتے اُدھر چلتے چلتے

دن ہو جتنا بھی درخشاں لیکن
آخرش شام میں ڈھل جاتا ہے

شوقِ پرواز کم نہیں لیکن
ہم پروں کو کترتے رہتے ہیں

وہ ادب کے علاوہ فلسفے کے بھی آدمی ہیں چنانچہ ان کے شعروں میں فلسفہ بھی ہے، مگر وہ فلسفہ نہیں جو شعر پر یبوست طاری کر دے، یہ فلسفہ ہماری روزمرہ زندگی کے معاملات سے جڑا ہوا ہے چنانچہ جب وہ اس فلسفے کو اپنی شاعری میں رچا کر لاتے ہیں تو شعری اور تخلیقی حسن درجۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے:

کیا اس سے بڑا اور تماشا کوئی ہو گا
اقرار تماشا، مرا انکار تماشا

ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ جب
ہوش خود ہوش رُبا ہوتی ہے

ڈاکٹر شیخ اقبال میری طرح عمر کے جس حصے میں ہیں اس میں شاعری کا سفر تو بہت سے لوگ کرتے ہی ہیں مگر اپنے عہد کے معاملات اور موضوعات و مسائل کے ساتھ

چلنا اور لفظیات میں بھی عہدِ موجود کا انعکاس کرنا کم کم شعرا کو میسر آتا ہے۔

وقت کا دیمک مبادا چاٹ لے
دل کے لاکر میں تری تصویر ہے

میں ترے فون پہ بیل دیتا ہوں
جب کوئی درد رُلاتا ہے مجھے

آ مرے یار تماشا دیکھیں
کوئی خوں خوار تماشا دیکھیں

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے ایک طویل عمر تخلیقِ شعر میں گزاری ہے اور میں ان کے شعری سفر کا ابتداء ہی سے قائل بھی ہوں اور گھائل بھی، ان کے شعری مقام کے بارے میں کوئی بات کرنا میرے لئے چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی کہ وہ ایک صاحبِ کمال قلم کار ہیں اور اردو کی سبھی بستیوں میں وہ اپنا نام منوا چکے ہیں۔ یہاں ان کا ایک دل دُکھا دینے والا شعر لکھ رہا ہوں جو ان کی زندگی کی صورتِ حال کی بھرپور ترجمانی کر رہا ہے:

میری آنکھوں میں اُجالا ہی نہیں
میں نے اس روگ کو پالا ہی نہیں

مگر بصارت سے محروم اس عظیم اور صاحبِ نظر شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے دل کھول کر بصیرت دی ہے جو اس کے وجود میں ہمہ دم موجزن ہے اور ان کی شاعری پڑھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ اجالے سے محروم ہیں اور یقیناً وہ اجالے سے محروم ہرگز نہیں ہیں، چنانچہ وہ زندگی کے آغاز ہی سے ہر عہد کے ساتھ پوری طرح جُڑے ہوئے ہیں اور رابطہ اور

کی فلاح و بہبود کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہونے کے باوجود ذہنی طور پر شعری دنیا میں رہتے اور وہیں بسرام کرتے ہیں، اور ظاہر ہے اس کیفیت میں انہیں 'جس' کی یاد آتی ہے وہ اسی کو اپنی شعری کائنات میں بسائے رکھتے ہیں اور اسے یاد کر کر کے کہتے ہیں 'کس کی یاد آ گئی' حالانکہ انہیں جس کی یاد آتی ہے اس کے خدوخال بھی انہیں ازبر ہیں چنانچہ میری یہی دعا ہے کہ وہ اسے یاد کرتے رہیں اور شعر کہتے رہیں اور شعر وسخن کے جہان کو یونہی اپنی تخلیقات سے مالامال کرتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

نسیمِ سحر
(راولپنڈی)

حمدِ باری تعالیٰ

بجھ کے پیاسے میرے دل و جاں، میرے مولا میرے مولا!
کر دے میری مشکل آساں، میرے مولا میرے مولا!

کیوں میں کسی کے در پہ جاؤں، ہر پل ہر جا سر کو جھکاؤں
پاس ترے ہر درد کا درماں ، میرے مولا میرے مولا!

تیری عنایت سانس ہے میرا، جو کچھ میرا ہے سب تیرا
کرم تیرا ہے تیرا احساں ، میرے مولا میرے مولا!

دل کا مرے کشکول تہی ہے کاسۂ جاں ہے بالکل خالی
چیتھڑے دامن، چاک گریباں، میرے مولا میرے مولا!

تو نے جس کو آپ بنایا، آگے اس کے سب کو جھکایا
کہاں گیا وہ تیرا انساں، میرے مولا میرے مولا!

کوئی کہے مری قسمت کھوٹی کوئی پکارے روٹی روٹی
کوئی لٹائے نیلم و مرجاں، میرے مولا میرے مولا!

کوئی دو روٹی کو روئے ، راتوں کو فٹ پاتھ پہ سوئے
عیش اڑائیں میر و سلطاں، میرے مولا میرے مولا!

اپنے کرم کی بارش کر دے، ننگوں بھوکوں کے گھر بھر دے
تیرے لئے یہ کام ہے آساں، میرے مولا میرے مولا!

☆☆☆

☆

کیا خبر کیسے واپسی ہو گی
جانے ہم کس جگہ نکل آئے

o

مری زندگی! تیرا شکریہ کوئی رنج ہے نہ ملال ہے
جو دیا خوشی سے وہ لے لیا کوئی رنج ہے نہ ملال ہے

نہ وہ مہر تھا نہ وہ ماہ تھا میرے پاس ایک چراغ تھا
کبھی جل گیا کبھی بجھ گیا کوئی رنج ہے نہ ملال ہے

بڑی کاوشیں دل و جاں سے کیں کہ وہ رشکِ ماہ ملے کہیں
کہیں وہ نہ تھا کہیں میں نہ تھا، کوئی رنج ہے نہ ملال ہے

بڑے ٹیڑھے میڑھے تھے راستے بڑی دُور تھیں میری منزلیں
کبھی گر پڑا کبھی اُٹھ گیا کوئی رَنج ہے نہ ملال ہے

یہی زندگی کا اصول ہے کوئی بات کرنا فضول ہے
کوئی رو دیا کوئی ہنس دیا، کوئی رنج ہے نہ ملال ہے

کوئی مجھ سے آگے نکل گیا میں کسی سے آگے نکل گیا
کوئی میرے ساتھ نہ چل سکا کوئی رنج ہے نہ ملال ہے

☆☆☆

☆

زندگی کو غمِ زندگی کھا گیا
موت کا تو فقط اک بہانہ بنا

o

جانے کتنے خار چبھے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے
جانے کتنے پھول چنے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے

جانے کتنے مہ وشوں سے آنکھ لڑائی دل بہلایا
جانے کتنے عشق کیے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے

زیست سفر میں شاخِ نظر پر دل کش دل کش پیارے پیارے
پل پل کتنے پھول کھلے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے

ہاتھ میں تھامے ہاتھ کسی کا، دل میں سجائے خواب کسی کے
کتنی دُور اور کتنے چلے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے

اپنی خاک سے جانے کتنی بار بنایا ہم نے خود کو
اور ہم کتنی بار مٹے ہیں سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے

کہاں کہاں کی خاک ہے چھانی کس کس در پر دستک دی ہے
کیا پایا ہے کیا کھویا ہے سب کچھ یاد کہاں رہتا ہے

☆☆☆

☆

نفرتوں کا خدا کتنا جلاد تھا
پھر بھی ہونٹوں پہ نامِ محبت رہا

O

نت نئی اُمید پر پلتے رہے
اور کس کس خواب میں ڈھلتے رہے

ہم نے مڑ کر عمر بھر دیکھا نہیں
چل پڑے تو عمر بھر چلتے رہے

آندھیاں اُن کو بجھا پائیں کہاں
دیپ جتنے تھے سبھی جلتے رہے

یوں نہیں کہ زندگی آساں کٹی
آئے تو طوفاں مگر ٹلتے رہے

میرے گلشن میں جہاں مہکے گلاب
خار و خس بھی پھولتے پھلتے رہے

☆☆☆

☆

گاؤں میں شاید مکمل ہوں مگر
شہر میں سارے اُدھورے آدمی
جا چھپے جھوٹی انا کے خول میں
خوف کے مارے اُدھورے آدمی

O

وہی خسرو وہی تیشہ ابھی کچھ بھی نہیں بدلا
گھڑا کچا وہی دریا ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

ہر اک رستہ ہماری زیست کا مقتل کو جاتا ہے
وہی ہے آج جو کل تھا، ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

ابھی ہے عشق بیچارہ، غم و اندوہ کا مارا
ہمیشہ جیت کر ہارا ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

بروٹس اور سیزر کا ڈرامہ روز ہوتا ہے
وہی ہر روز کا قصہ، ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

محبت کرنے والے تیر کر اُس پار جاتے ہیں
رواں ہے آگ کا دریا ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

ابھی تک حکمرانی زندگی پر بھیڑیوں کی ہے
ابھی ہر شہر ہے صحرا ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

وہی ہیں تیر نظروں کے وہی ناوک اداؤں کے
قیامت ہے ہر اک جلوہ ابھی کچھ بھی نہیں بدلا

☆☆☆

☆

تجھ سے اک پل بھی سنبھالا نہ گیا
زندگی کیسے حوالے کرتا
رشکِ ماہتاب تُو میرا نہ ہوا
میں ہر اِک سمت اُجالے کرتا

O

ہوئی شام اپنی، سحر چلتے چلتے
اِدھر چلتے چلتے، اُدھر چلتے چلتے

مناظر اِدھر ہیں مناظر اُدھر ہیں
تھکی جا رہی ہے نظر چلتے چلتے

بس آئے وہ منزل بس آئے وہ منزل
کٹی عمر اِس آس پر چلتے چلتے

کبھی اس کے در پر کبھی اُس کے در پر
نہ پہنچے کبھی اپنے گھر چلتے چلتے

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر میں ہی میں ہوں
کہاں کھو گئے ہمسفر چلتے چلتے

مجھے ٹھہرنے کی اِجازت نہیں تھی
نظر آیا تھا اُس کا گھر چلتے چلتے

ذرا چہل قدمی کو نکلے تھے گھر سے
کہاں آ گئے ہم مگر چلتے چلتے

مریضِ محبت کی حالت بُری ہے
چلو آؤ لے لیں خبر چلتے چلتے

کہیں ٹھہر جانے کی خواہش نہیں ہے
سفر بن گئے عمر بھر چلتے چلتے

☆☆☆

O

ہر گھڑی ہر ساز چھیڑا دل مگر بہلا نہیں
عمر بھر ہر گیت گایا دل مگر بہلا نہیں

آنکھ نے اتنا حسیں منظر کبھی دیکھا نہ تھا
پھول مہکے، چاند نکلا، دل مگر بہلا نہیں

اپنے سارے چاند تارے اپنی جھولی میں لیے
آسماں دھرتی پہ اُترا دل مگر بہلا نہیں

کتنی سوہنی صورتیں آنکھوں کے پس منظر میں تھیں
جانے کیا کیا یاد آیا، دل مگر بہلا نہیں

ہر گھڑی ہر پل زمانے کا تماشا دیکھتے
بن گیا میں خود تماشا دل مگر بہلا نہیں

زندگی گلیوں میں، بازاروں میں، پھر کر، کاٹ دی
کونہ کونہ چھان مارا، دل مگر بہلا نہیں

میری آنکھوں سے پھسل کر میری جھولی میں گرا
کوئی چاند اور کوئی تارا دل مگر بہلا نہیں

جانے کیسی بے سکونی تھی کہ نیند آئی نہیں
لاکھ بہلایا، منایا، دل مگر بہلا نہیں

رنگ خوشبو چاندنی ٹھنڈی ہوا، ابرِ بہار
ہر طرح دل کو لگایا، دل مگر بہلا نہیں

گیسوؤں آنکھوں لب و عارض کی سحر انگیزیاں
کتنی باتوں میں لگایا دل مگر بہلا نہیں

☆☆☆

کس کی یاد آ گئی!

کس کی یاد آ گئی!
کس کی یاد آ گئی!
نغمہ زن ہو گئی دل شکستہ فضا
مسکرانے لگے بام و در اس طرح
جیسے آنگن میں فصلِ بہار آ گئی
دل مچلنے لگا جاں سنبھلنے لگی
شاخِ احساس پر پھول کھلنے لگے
شعر ہونے لگے رنگ گانے لگے
نکہتیں رقص کرنے لگیں چار سو
شوق نے چھیڑ دی بانسری وصل کی
کس کی یاد آ گئی کس کی یاد آ گئی
دن جواں ہو گئے
صبح کے عارض و لب لہکنے لگے

شام کی ساعتیں وجد میں آ گئیں
رات نے چاندنی کی قبا پہن لی
دل میں رنگین ارماں مچلنے لگے
پیار کے روز و شب یاد آنے لگے
دل دھڑکنے لگا
روح نغمہ سرا
میرے آنگن میں تھی ہر طرف روشنی
جانے کیا ہو گیا میں کہاں کھو گیا
کس کی یاد آ گئی!
کس کی یاد آ گئی!

☆☆☆

☆

جب کہیں دیکھ لی پیاری صورت
دل میں اتری وہ جوانی توبہ!
دل لرزتا ہے کہوں، کیسے کہوں!
اپنی گستاخ کہانی توبہ!

O

یہ زمیں کچھ بھی نہیں، یہ آسماں کچھ بھی نہیں
ہم نے جو لکھی پڑھی ہے، داستاں کچھ بھی نہیں

ہیں فقط میرے تمھارے وہم کے لات و منات
یہ مکاں کچھ بھی نہیں یہ لامکاں کچھ بھی نہیں

جانے کس وہم و گماں نے ایک رکھا ہے ہمیں
ایک جیسا تیرے میرے درمیاں کچھ بھی نہیں

میری آنکھوں نے تراشے ہیں مناظر گو نا گوں
پھول کلیاں خار و خس یہ گلستاں کچھ بھی نہیں

ہر جگہ پھیلی ہیں افواہیں نجانے کیا سے کیا
ایک دشتِ بے کراں ہے اور وہاں کچھ بھی نہیں

جانے کس کے بال و پر پہ اُڑ رہی ہے زندگی
ورنہ جسم و جاں میں اَب تاب و تواں کچھ بھی نہیں

ہم نے پڑھ رکھی ہیں کتنی داستانیں نت نئی
ورنہ فطرت مہرباں نا مہرباں کچھ بھی نہیں

☆☆☆

☆

طبیبوں چارہ سازوں کی دوا نے
مجھے بیمار کر کے رکھ دیا ہے
مشینوں نے جگہ لے لی ہماری
ہمیں بے کار کر کے رکھ دیا ہے

O

یہ ٹھیک ہے کشش میرے حسنِ بیاں میں ہے
لیکن بلا کا درد مری داستاں میں ہے

ہاں خواہشات ہیں میرے بچوں کی ان گنت
لیکن مجھے سکوں میرے کچے مکاں میں ہے

ہوتا ہے روز و شب یہاں سود و زیاں کا کھیل
کچھ اس طرح ہے سارا جہاں اِک دُکاں میں ہے

کب سے رواں ہے کارواں کچھ بھی خبر نہیں
لیکن ہنوز حالتِ وہم و گماں میں ہے

ماضی سے کٹ کے حال میں جئیں تو کس طرح
منزل کا راستہ روشِ رفتگاں میں ہے

دھرتی کے کتنے راز ہیں جو اب بھی راز ہیں
تم دیکھنے چلے ہو کہ کیا آسماں میں ہے

جتنی زبانیں چاہو سدا سیکھتے رہو
لیکن کہاں وہ بات جو اپنی زباں میں ہے

☆☆☆

☆

جو غزل لکھی تھی اس کی خاطر
وہ غزل اس کو سنائی نہ گئی

o

تھا عجیب عشق کا حادثہ، کبھی دل گیا کبھی جاں گئی
نہ میں جی سکا نہ میں مر سکا، کبھی دل گیا کبھی جاں گئی

مری منزلیں مرے راستے، مجھے یوں لگا کہ قریب تھے
وہ جو ہمسفر تھا سراب تھا، کبھی دل گیا کبھی جاں گئی

وہ تو میرا اپنا قصور ہے مجھے اس قدر تو شعور ہے
جو ہوا بہت ہی بُرا ہوا، کبھی دل گیا کبھی جاں گئی

مرے ساتھ کتنے تھے مہ جبیں، بڑے خوش نظر بڑے دلنشیں
بڑے بے وفا، بڑے کج ادا، کبھی دل گیا کبھی جاں گئی

میں ہزاروں صدیوں سے مبتلائے وبالِ ہجر و وصال ہوں
ہے ہنوز جاری یہ سلسلہ، کبھی دل گیا کبھی جاں گئی

بڑے خوف ناک تھے سلسلے، بڑے ہولناک تھے مرحلے
میں کھڑا رہا، میں اَڑا رہا، کبھی دل گیا کبھی جاں گئی

مری رات، رات میں کٹ گئی، کئی حادثات میں بٹ گئی
مری زندگانی تھی رَتجگا، کبھی دل گیا کبھی جاں گئی

☆☆☆

☆

راستے میں چلچلاتی دھوپ تھی
اوڑھ لی ہم نے ادھوری زندگی

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

موت کا خوف تم کو لاحق ہے
تم پریشاں ہو تم نہیں ہو گے
جانے دنیا وہ کیسی دنیا ہو
جانے کب تک وہاں قیام رہے
جانے کیا کیا خیال آتے ہیں
ہاں مگر اس جہاں سے پہلے تم کچھ بتاؤ نا
تم کہاں پہ تھے
جانے کتنا طویل تھا عرصہ
جانے کتنے زمانے گزرے تھے
تم کو اس کی کوئی خبر ہی نہیں
اس کے بارے کبھی نہیں سوچا
اس طرف کوئی در کھلا ہی نہیں
آنے والے جہاں سے خائف ہو

خوف کا کوئی بھی جواز تو ہو
کیوں پریشاں ہو جو بھی ہو سو ہو
وہ جو ہونا ہے ہو کے رہتا ہے
جتنے دم ہیں ہنسی خوشی کاٹو
اور خوشیاں جہاں میں باٹو
جینا مرنا ہمارے بس میں نہیں
کوئی شے اپنی دسترس میں نہیں

☆☆☆

☆

تم سمجھتے ہو گنہگار ہوں میں
میں نے تو اس سے محبت کی ہے
میں سمجھتا ہوں عبادت کی ہے
صرف اور صرف عبادت کی ہے

O

ایک پل نے بنا دیا مجھ کو
ایک پل نے مٹا دیا مجھ کو

اک پری زاد کے تصور نے
اک تماشا بنا دیا مجھ کو

انتقاماً مرے کھلونوں نے
اِک کھلونا بنا دیا مجھ کو

آب و دانے کے کھوج نے آخر
آب و دانہ بنا دیا مجھ کو

کیا بتاؤں کہ میرے ہونے نے
جانے کیا کیا بنا دیا مجھ کو

زندگانی عجب حقیقت تھی
اک فسانہ بنا دیا مجھ کو

مجھ پہ دو چار دن قیامت تھے
اک زمانہ بنا دیا مجھ کو

☆☆☆

☆

یہ حسیں دن تو بیت جائے گا
تم اِسے زندگی بنا دو نا!

O

عذابِ درد و درماں کھا گئے ہیں
مجھے سانسوں کے احساں کھا گئے ہیں

میں بھوکے شہر میں کیا خاک جیتا
مجھے میرے دل و جاں کھا گئے ہیں

گراں سالی کا منظر دیدنی ہے
یہ بھوکے اپنے یزداں کھا گئے ہیں

اندھیروں پہ کوئی شب خون مارے
ہر اک صبحِ درخشاں کھا گئے ہیں

بچا کیا ہے ہمارے تن بدن میں
ہمیں تو میر و سلطاں کھا گئے ہیں

فرشتوں کو عبادت کی پڑی ہے
زمیں والوں کو شیطاں کھا گئے ہیں

کوئی شکوہ نہیں چڑھتا زباں پر
مسلماں کو مسلماں کھا گئے ہیں

فلک بیٹھا تماشا دیکھتا ہے
زمیں کو بھوکے انساں کھا گئے ہیں

مری راتوں کی نیندیں اُڑ گئی ہیں
کہ انسانوں کو انساں کھا گئے ہیں

☆☆☆

☆

تم اپنی آنکھ اپنے پاس رکھو
ہمیں اپنی نظر سے دیکھنے دو

O

کیا تم سے کہوں! پیار کا اپنا ہی مزا ہے
اصرار کا، انکار کا اپنا ہی مزا ہے

کوشش سے بھی بن جاتی ہے کچھ بات تو لیکن
بے ساختہ اشعار کا اپنا ہی مزا ہے

زُلفوں سے، لبوں سے کبھی رُخسار سے کھیلے
ہر ساعتِ سرشار کا اپنا ہی مزا ہے

اپنے در و دیوار ہیں، اپنے در و دیوار
اپنے در و دیوار کا اپنا ہی مزا ہے

مانا کہ ترے پیار میں ہم ہار گئے ہیں
اس پیار کا، اس ہار کا، اپنا ہی مزا ہے

شور

شور آغازِ زندگی کا خروش
شور انجامِ زیست کا نوحہ
شور سازِ حیات سوزِ حیات
شادمانی کی کوئی محفل ہو
شور ہی شور ہر طرف ہر سُو
چیخ کر جو بھی بات کی جائے
تالیاں تالیاں سنائی دیں
جتنی اونچی صدا مقرر کی
اتنا اونچا ہے مرتبہ اسکا
شور کے دم سے زندگی قائم
شور کے دم سے بندگی کا سرور
یہ جو ہارے بھی جیت جاتا ہے
سچ تو یہ ہے کہ معتبر ہے شور
شور ہے حکمراں قیامت تک
اس کی زد میں جہاں قیامت تک

O

پھر کسی پیپل کے سائے میں ٹھکانا چاہیے
پھر اسی جنت کی جانب لوٹ جانا چاہیے

مان لیتے ہیں کہ پل بھر کا ہے یہ سانسوں کا کھیل
لیکن اس کی وسعتوں کو اک زمانہ چاہیے

سازِ ہستی گنگ ہے صدیوں سے، بے آواز ہے
زندگی کا کوئی نغمہ گنگنانا چاہیے

دوستو! اُن کی بلا سے، آشیاں ہو یا قفس
بھوکے پیاسے طائروں کو آب و دانہ چاہیے

جن کو آتی تھی زباں خاموشیوں کی، اٹھ گئے
جس قدر ممکن ہو شور و غل مچانا چاہیے

طائرِ ہستی کو کر کے بال و پر سے بے نیاز
اس کی ہمت کے پروں کو آزمانا چاہیے

روز سورج نفرتوں کی آگ برسانے لگا
کوئی تو مہر و وفا کا دن بھی آنا چاہیے

☆☆☆

☆

میں سوچتا تھا جان ہی لے لے گا اُس کا غم
اب سوچتا ہوں دِل میرا کیسے سنبھل گیا
دو چار دِن ملے مجھے جینے کے واسطے
دو چار دِن میں کونسا اَرماں نکل گیا

O

میری آنکھوں میں جس نے روشنی دی
اُسی نے مجھ کو ہر شے دیدنی دی

یہ کس نے گِر کے پھر اُٹھنا سِکھایا
یہ کس نے عمر بھر زندہ دِلی دی

بڑا سفاک تھا وہ پل کہ جس نے
میرے سادہ سے دل کو آگہی دی

میں مانگے تانگے لمحوں میں جیا ہوں
جو مجھ کو عمر دی وہ نام کی دی

میں اکیسویں صدی کا منچلا ہوں
مجھے صدیوں پرانی زندگی دی

نظر کو دعوتِ نظارہ دے کر
میری شام و سحر کو تیرگی دی

☆☆☆

☆

میری آنکھوں میں اُجالا ہی نہیں
میں نے اس روگ کو پالا ہی نہیں
جو ہر اِک دل میں اُجالا کر دے
وقت نے چاند وہ ڈھالا ہی نہیں
یہ مہ و مہر نکلتے کیوں ہیں
جب کوئی دیکھنے والا ہی نہیں

O

ہر نشاں آ گیا بھول کر
میں کہاں آ گیا بھول کر

میری دھرتی پہ کچھ یوں ہوا
آسماں آ گیا بھول کر

بے بصر شہر میں ایک شب
کہکشاں، آ گیا بھول کر

جستجو تو حقیقت کی تھی
میں بنا داستاں بھول کر

یادِ ماضی عذاب ہے یارب

میں نے تنہائی کے در پر ڈرتے ڈرتے اک دستک دی
اندر سے آواز اک آئی آجاؤنا!
بزم سجی ہے
ہنستے گاتے ان لمحوں کی
پیار سے مہکی ان گھڑیوں کی
جن کو وقت کے چور اُچکے لے بھاگے تھے
لیکن پھر بھی بچ نکلی ہے
آنگن سارا چہک رہا ہے
بام و در پر وجد ہے طاری
تم بھی آؤ
دل بہلاؤ
ہنستے کھیلتے گاتے جاؤ
قوت اتنی حاصل کرلو
اتنی طاقت دل میں بھرلو
تم جب بزم سے واپس لوٹو
ہر مشکل آساں ہو جائے
غم کوئی بھی پاس نہ آئے
آجاؤنا! بزم سجی ہے

o

کتنی تسکیں دلِ فگار میں تھی
زندگی چشمِ اشکبار میں تھی

شب کا ایک ایک پل قیامت تھا
شام صبح کے انتظار میں تھی

چاٹ لی حاجتوں کے دیمک نے
جو خوشی میرے اختیار میں تھی

میں ترے ساتھ کس فلک پہ تھا
دل کی تنہائی کس مدار میں تھی

وہ خوشی ہم کو جیت میں بھی نہیں
جو کبھی ہم کو اپنی ہار میں تھی

ان عشق ووفا کے جھمیلوں کو چھوڑ و

ان عشق ووفا کے جھمیلوں کو چھوڑ و
ملن اور جدائی کی سب داستانیں
فقط داستانیں
اگر کوئی مورت کوئی چاند صورت
دکھائی کہیں دے
اسے دیکھتے دیکھتے شام کردو
اگر دیکھنا بھی کوئی جرم ٹھہرے
تو آنکھوں میں بھرلو
تو سانسوں میں دھرلو
اسے دل کی اور ایک دھڑکن بنالو
ان عشق ووفا کے جھمیلوں کو چھوڑ و

o

ہر جیت مری کھیل، مری ہار تماشا
خود کار تماشا کبھی بے کار تماشا

ہر شخص مرے گھر میں چلا آتا ہے بے خوف
دروازہ تماشا میری دیوار تماشا

ہر چیز کی قیمت مری قیمت سے فزوں ہے
میں بن کے رہا برسر بازار تماشا

یہ دربدری، بے خبری، چیز ہی کیا ہے
دیکھا ہے کبھی تم نے سردار تماشا

کیا اس سے بڑا اور تماشا کوئی ہو گا
اقرار تماشا، مرا انکار تماشا

قربت ہے قیامت، کبھی فرقت ہے قیامت
کیا کہیے کہ کیا چیز ہے، یہ پیار تماشا

☆☆☆

☆

وقت کا دیمک مبادا چاٹ لے
دل کے لاکر میں تیری تصویر ہے

☆

جو کھلونے نظر کے ہاتھ لگے
ان کھلونوں سے کھیلتے گزری

O

کیا پوچھتے ہو مجھ سے، مرے پاس کیا رہا
ہمت رہی، امید رہی، حوصلہ رہا

کتنا حسین خواب تھا پر آنکھ کھل گئی
جب آنکھ کھل گئی تو سدا جاگتا رہا

ہم سوچ کے حصار سے باہر نہ آ سکے
میں سوچتا رہا، کبھی وہ سوچتا رہا

ہر پل نئے محاذ پہ لڑنا پڑا مجھے
کیا پوچھتے ہو! زیست میں کتنا مزا رہا

ہارا ضرور، ہار کے ہارا نہیں کبھی
خواہش رہی، خروش رہا، ولولہ رہا

یہ ٹھیک ہے کہ کوئی بھی منزل نہ مل سکی
یہ کم ہے زندہ رہنے میں جو دل لگا رہا

کتنی حیات جاگتے خوابوں میں کھو گئی
کتنی حقیقتوں کا مگر سامنا رہا

☆☆☆

☆

حاجتیں بیچتی رہیں ہم کو
سرِ بازار زندگی گزری
ہم کو ہر پل سزائے مرگ ملی
بر سرِ دار زندگی گزری

O

ہوا ہے عمر بھر کیا کیا تماشا
کبھی جاں تھی کبھی دل تھا تماشا

ہزاروں خوبصورت بزم میں تھے
جو تم ہوتے تو پھر ہوتا تماشا

وہاں ہم بھی گئے تھے دل لگانے
مگر ہم کو پڑا مہنگا تماشا

میں ڈرتا ہوں نہ کوئی پوچھ بیٹھے
میری آنکھوں نے کیا دیکھا تماشا

امیرِ شہر دن بھر دیکھتا ہے
کبھی تیرا، کبھی میرا تماشا

عشق تماشا

اگر یہ پیار کے قصے تمہیں افسانے لگتے ہیں
کسی مجنوں سے مل لو،
رومیو سے گفتگو کر لو
کہیں جو ہیر مل جائے
تو اس کی داستاں سن لو
کوئی سوہنی تمہارے شہر میں، گاؤں میں بھی ہو گی
اسے دو چار پل دے دو
تو پھر تم پہ فسانوں کی حقیقت کھلتی جائے گی
تم اپنی آنکھ کے آنسو کبھی نہ روک پاؤ گے
تمہارے دل سے جو اٹھیں گی چیخیں سن نہ پاؤ گے

o

زیست، مت پوچھ! کہ کیا ہوتی ہے
سانس لینے کی سزا ہوتی ہے

کیا عجب شے ہے محبت مت پوچھ
اس کی لذت ہی جدا ہوتی ہے

ہم کو ہر روز ہے درکار کرم
ہم سے ہر روز خطا ہوتی ہے

احترام اس کا بھی ہے کچھ لازم
دل کی بھی اپنی رضا ہوتی ہے

جب دھڑکتا ہے ترے نام پہ دل
زندگی نغمہ سرا ہوتی ہے

ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ جب
ہوش خود ہوش رُبا ہوتی ہے

جو عطا کرتے ہیں خوشیاں اقبالؔ
زندگی اُن پہ روا ہوتی ہے

☆☆☆

☆

تم سے جس رات بات ہوتی ہے
ہم اُسے چاند رات کہتے ہیں
اور جس روز تم سے ملتے ہیں
ہم اُسے روزِ عید کہتے ہیں

O

آؤ سرخوشی لے لو، سرخوشی ہے میرے پاس
تتلیوں کی، پھولوں کی دلکشی ہے میرے پاس

وہ جنہیں اُجالوں میں کچھ نظر نہیں آتا
ان کی ساری آنکھوں کی روشنی ہے میرے پاس

دردِ دل غزل میری، سوزِ جاں مرے نغمے
نغمگی ہے میرے پاس، شاعری ہے میرے پاس

شعر کہتا جاتا ہوں، شعر ہوتے جاتے ہیں
بے کلی ضروری ہے، بے کلی ہے میرے پاس

میں حسین لمحوں کو قید کرتا رہتا ہوں
چاند بجھ گیا شاید، چاندنی ہے میرے پاس

ایک دن تم آؤ گے، ایک دن سحر ہو گی
انتظار کی خاطر، زندگی ہے میرے پاس

میں نے زندگی اپنی، اپنے ڈھب سے کاٹی ہے
کل بھی تھا مرا اپنا، آج بھی ہے میرے پاس

تم مجھے بڑھاپے کے، بھوت سے ڈراتے ہو
دل جوان رکھنے کو، اک پری ہے میرے پاس

☆☆☆

☆

عشق سے کیا خطا ہوئی یارو
عشق پر ہر گھڑی قیامت ہے

☆

ہمیں اُنگلی پکڑ کے مت چلاؤ
ہمیں پاؤں پہ چلنا آ گیا ہے

O

بحث و تکرار میں اک عمر گنوا دی ہم نے
کارِ بے کار میں اک عمر گنوا دی ہم نے

جیتنا ہارنا بے مصرف و بے کار لگا
جیت اور ہار میں اِک عمر گنوا دی ہم نے

کوئی بھی گُل نہ مری شاخِ نظر پہ مہکا
رہ کے گلزار میں اک عمر گنوا دی ہم نے

شہرِ لاچار نے، لاچار بنا کر چھوڑا
شہرِ لاچار میں اک عمر گنوا دی ہم نے

کوئی دانش، کوئی دانائی نہ کچھ کام آئی
ایک آزار میں اک عمر گنوا دی ہم نے

شاخ پہ گلاب

کچھ یوں ہوا کہ شاخِ نظر پہ کھلا گلاب
بڑی مدتوں کے بعد
بڑی آرزو کے بعد
گلزار بن گئی دلِ ویراں کی سرزمیں
محسوس یوں ہوا کہ بہاریں ہیں چار سو
اور رنگ و بو کے قافلے اترے ہیں کو بکو
بسنے لگی ہیں عشق و محبت کی بستیاں
نس نس میں زندگی کی لہر دوڑنے لگی
میں کیا کہوں کہ کیا لگا
کیا کچھ لگا مجھے
ہر پل مجھے گلاب لگا
اک چمن لگا
کچھ یوں ہوا کہ زندگی میخانہ بن گئی
رقص و سرود کی جمی محفل خیال میں
میں کھو گیا گلاب کے حسن و جمال میں

O

سرمست جوانی مجھے یاد آنے لگی ہے
ہر ایک کہانی مجھے یاد آنے لگی ہے

برجستہ جو اُس نے لب و رخسار پہ لکھی
وہ پیار نشانی مجھے یاد آنے لگی ہے

ہوں ایک نئی چاہ کے میں سحر میں لیکن
اک چاہ پرانی مجھے یاد آنے لگی ہے

دو چار گھڑی دوستو! میں ہنس تو پڑا ہوں
اشکوں کی روانی مجھے یاد آنے لگی ہے

وہ صبح جو اک خواب تھی اور خواب رہے گی
وہ صبح سہانی مجھے یاد آنے لگی ہے

میں جس کو سمجھتا تھا سدا ساتھ رہے گی
وہ عمر تھی فانی، مجھے یاد آنے لگی ہے

☆☆☆

☆

کوئی منزل نہ کوئی جادہ ہے
حوصلہ کتنا سیدھا سادا ہے
جانے کس سمت ہم کو لے نکلے
جانے کیا شوق کا ارادہ ہے
بس اُسی کو نبھا رہے ہیں ہم
اپنی ہمت سے ایک وعدہ ہے

O

یہ جو منزلیں ہیں فریب ہیں،یہ جو راستے ہیں سراب ہیں
میں کہاں نکال کے پھینک دوں مری آنکھ میں وہ جو خواب ہیں

مجھے کوئی ایسی کتاب دے جو پڑھوں تو دل کو سکوں ملے
جو پڑھی پڑھائی ہیں عمر بھر وہ قیامتوں کے نصاب ہیں

میرے راہبر میرے رہنما، مرے قلب و ذہن پہ رحم کھا
مرے کتنے سیدھے سوال ہیں،ترے کتنے الٹے جواب ہیں

مرے چارہ گر رہِ عشق میں ابھی اور کتنے ہیں مرحلے
ابھی اور کتنی قیامتیں، ابھی اور کتنے عذاب ہیں

مرے ہم سخن مجھے سچ بتا، ترے پاس کونسا سحر ہے
ترے پاس سوسن و نسترن ترے پاس سمن و گلاب ہیں

آسیب زدہ

میں وہ گھر ہوں جو خالی ہے
نہ جانے کب سے خالی ہے
کرائے پر نہیں چڑھتا
کوئی دستک نہیں دیتا
ہوائیں کھڑکیوں سے ڈرتی ڈرتی جھانکتی ہیں
سہم جاتی ہیں
ہر اک کمرے میں خاموشی تھکی ہاری
نہ جانے کب سے بیٹھی ہے
سنا کرتے ہیں خالی گھر کبھی خالی نہیں رہتے
ہزاروں جن ہزاروں بھوت اس میں رہنے لگتے ہیں
مگر میں کیسا گھر ہوں کیا خبر کیسا
وہی جانے وہی سمجھے مجھے جس نے بنایا ہے
مجھے جس نے مٹایا ہے

o

کیا داستاں سنائیں تمھیں اپنی ہار کی
کرنی نہیں تھی وہ جو خطا بار بار کی

کتنے حسین لوگ مرے ہمسفر رہے
پر پیاس بجھ سکی نہ کبھی میرے پیار کی

دو چار دن کی بات تھی اور بات تھی بھی کیا!
ہم نے تو زندگی یونہی سر پہ سوار کی

کچھ تو کہو کہ کیسے گزرتے ہیں اُس کے دن
کوئی سناؤ بات میرے گلعذار کی

چُھپ چُھپ کے روئے اور سرِ انجمن ہنسے
ہم نے قبائے صبر کبھی تار تار کی!

آنکھیں جھکی جھکی لب و عارض اُداس ہیں
ہے شہر شہر دیدنی صورت بہار کی

راتیں بھی انتظار ہیں اور دن بھی انتظار
کہتے ہیں حد نہیں ہے کوئی انتظار کی

آؤ نہ پھر سے بیتے دنوں کو صدائیں دیں
آؤ نہ پھر سے سیر کریں کوئے یار کی

☆☆

☆

ہم شکست و فتح کے آزار سے آزاد ہیں
دل لگی ہے جیت جانا! دل لگی ہے ہارنا

O

جس نے ہر روز ہم کو مارا ہے
وہ ہمیں زندگی سے پیارا ہے

حصوں بخروں میں اس کو کیوں بانٹیں
وہ تو اک چاند ہے ستارا ہے

کوئی تو پیار کا بھرم رکھ لے
ورنہ یہ زندگی خسارا ہے

ہم یونہی اپنی عمر کہتے ہیں
شب تمھاری ہے دن تمھارا ہے

وہ جو محروم ہے سماعت سے
جب پکارا اسے پکارا ہے

جس نے ٹوٹے دلوں کو جوڑا تھا
حیف! صد حیف! پارا پارا ہے

جو کشش حسنِ بے مثال میں ہے
میرے جذبوں کا استعارا ہے

وقت گزرا ہے اپنی مرضی سے
ہم نے کب وقت کو گزارا ہے

نذر کر کے حسین لمحوں کی
سر سے ہر بوجھ کو اُتارا ہے

☆☆☆

☆

کھڑے رہے یونہی تکتے رہے سحر تا شام
خبر نہیں کہ ہمیں انتظار کس کا تھا

O

ہم نے چاہا تھا کچھ، ہوا کچھ اور
چاہیے ہم کو تجربہ کچھ اور

تم کتابوں میں چاہے کچھ بھی لکھو
ہم نے دیکھا ہے جا بجا کچھ اور

چلتے رہتے ہیں رات دن لیکن
بڑھتا جاتا ہے فاصلہ کچھ اور

میں نے ڈھونڈا ہے عمر بھر خود کو
ہو گیا ہوں میں لاپتا کچھ اور

الزام

یہ بالکل جھوٹ ہے، الزام ہے مجھ پہ کہ میں بھی پیار کرتا تھا
کسی پھولوں سی صورت سے، کسی مہتاب مورت سے
کسی زلفِ درخشاں سے کسی چشمِ غزالیں سے
کسی لب سے، کسی رخسار سے، جادو سے، خوشبو سے
یہ سب کچھ جھوٹ ہے، الزام ہے مجھ پر قسم لے لو
مجھے تو پیار تھا کچھ اپنے خوابوں سے، ارادوں سے
کہ جن کو ٹوٹتے اور چور ہوتے خاک میں ملتے ہوئے دیکھا
جو گل تھے خار میں بدلے
جو دو اک دن تھے خوشیوں کے، غموں کے، جبر میں گزرے
جو کچھ راتیں ملیں مجھ کو اندھیری تھیں
بھلا میں پیار کیا کرتا، کسی سے عشق کیا کرتا
یہ سب کچھ جھوٹ ہے الزام ہے مجھ پر قسم لے لو
کہ میں بھی پیار کرتا تھا

O

آ مرے یار! تماشا دیکھیں
کوئی خوں خوار تماشا دیکھیں

پا بہ زنجیر تماشا کوئی
بر سرِ دار تماشا دیکھیں

یہ محبت بھی تماشا ہی تو ہے
آؤ اک بار تماشا دیکھیں

کوئی جاں لیوا تمنا جاگے
کوئی شاہکار تماشا دیکھیں

کوئی ہنگامہ ہو آنگن میں بپا
در و دیوار تماشا دیکھیں

خواب ہو ایک مقابل دنیا
کوئی خوددار تماشا دیکھیں

☆☆☆

☆

شام گئی سحر گئی جلتی دوپہر رہ گئی
کتنی دبنگ عمر تھی کتنے عذاب سہہ گئی
میں نے تو ہاتھ پاؤں میں بجلیاں بھریں مگر
کشتیٔ جاں کہیں مگر پانیوں میں بہہ گئی
روح کے داغ دھل گئے جسم کے زخم بھر گئے
آس نہ جانے کان میں کونسی بات کہہ گئی

o

ایک تھا بے شمار چھوڑ گیا
وہ مجھے تار تار چھوڑ گیا

ایک دن خوشگوار کر کے میرا
عمر بھر سوگوار چھوڑ گیا

مجھ کو ہر روز اس کا لگتا ہے
وائے جو گلعذار چھوڑ گیا

میں نے ہر غم سجا لیا دل میں
جب ہر اک غمگسار چھوڑ گیا

اس نے اک بار جیت لی بازی
مرے حصے میں ہار چھوڑ گیا

اب ہوں کارِ فضول میں مشغول
میں ہر اِک کاروبار چھوڑ گیا

کوئی بھی لوٹنے کی راہ نہیں
وہ مجھے جاں کے پار چھوڑ گیا

میں وہیں پہ کھڑا ہوں مدت سے
جس جگہ مرا پیار چھوڑ گیا

☆☆☆

☆

اللہ اللہ یہ چاند سی شکلیں
اشک بھی رقص کرنے لگتے ہیں

O

جیب خالی ہے پیار کیسے ہو
عاشقی میں اُدھار کیسے ہو

ہم نے کچھ شکل ایسی پائی ہے
مہ جبینوں سے پیار کیسے ہو

دل کہ ہر پھول پہ لپکتا ہے
دل کو حاصل قرار کیسے ہو

عشق کا کاروبار کر بیٹھے
اب کوئی کاروبار کیسے ہو

عمر بیتی ہے بت پرستی میں
حادثوں کا شمار کیسے ہو

میری ساری بہاریں حسن کے نام
مرے گھر میں، بہار کیسے ہو

☆☆☆

☆

بڑے تلخ تھے مرے روز و شب، مرا حوصلہ تھا گزر گئے
جو قیامتیں تھیں وہ ٹل گئیں اُنہیں یاد کرنا فضول ہے
وہ چراغ تھے جو اُمید کے، چلی آندھیاں سبھی بجھ گئے
سبھی صبحیں شام میں ڈھل گئیں انہیں یاد کرنا فضول ہے

O

چل پڑی ہے بہار چلتے ہیں
خشک ہر برگ و بار چلتے ہیں

جاں شکن انتظار ختم ہوا
اُٹھ گیا اعتبار چلتے ہیں

وہ جہاں جان چھوڑ آئے تھے
پھر وہیں ایک بار چلتے ہیں

جان ہم پہ عذاب بننے لگی
چل کہیں جاں کے پار چلتے ہیں

بھر دیا تیرا حسن لفظوں میں
ہو گیا شاہکار چلتے ہیں

خامشی

خامشی بے بسی کی آل سہی
خامشی مفلسی کی ڈھال سہی
خامشی درد سے نڈھال سہی
خامشی مصلحت کی چال سہی
خامشی صبر کا کمال سہی
اپنی اس بھیڑیوں کی دنیا میں
اپنی اس رہزنوں کی بستی میں
اپنے اس ظلم کے جزیرے میں
کوئی کمزور کا سہارا نہیں
کوئی اس بحر کا کنارہ نہیں
خامشی زندگی کی ضامن ہے
جاں بچانے کا بس یہی فن ہے
سنتے جاؤ کہے کوئی کچھ بھی
کچھ بھی کہنا حرام ہے یارو
موت کا اہتمام ہے یارو

o

مہ وشوں کی مہربانی چاہیے
مسکراتی زندگانی چاہیے

آ رہی ہے سوسن و گل پہ بہار
ایک دو پل پھر جوانی چاہیے

کوئی صورت، چاند سی صورت کوئی
زندگانی مسکرانی چاہیے

کوئی میٹھا غم کوئی شیریں سا درد
زیست کی کوئی نشانی چاہیے

چاند تارے توڑنا مشکل سہی
کچھ تو ہمت آزمانی چاہیے

بال و پر پرواز سے معذور ہیں
کوئی بے پر کی اڑانی چاہیے

☆☆☆

☆

کھل کے لڑتے ہیں اپنے آپ سے ہم
یہ لڑائی ہے اب تو روز کی بات
خود سے ہر لحہ خود کو مانگتے ہیں
یہ گدائی ہے اب تو روز کی بات
کس برائی کو آپ روکیں گے
ہر برائی ہے اب تو روز کی بات

o

جب دِیا آس کا جَل جاتا ہے
دل سے ہر خوف نکل جاتا ہے

لاکھ سمجھایئے دیوانہ دل
وقت بے وقت مچل جاتا ہے

دن ہو جتنا بھی درخشاں لیکن
آخرش شام میں ڈھل جاتا ہے

لاکھ چاہا کہ ترا نام نہ لوں
بیٹھتے اُٹھتے نکل جاتا ہے

ٹھوکریں کھاتا ہے راہی لیکن
اور پھر خود ہی سنبھل جاتا ہے

جان جاتی ہے سوچ کر اقبالؔ
آدمی کتنا بدل جاتا ہے

☆☆☆

☆

عین ممکن ہے ہری ہو شاخِ دل
پھول کلیوں میں کہیں جا کر رہیں
وہ حسیں منظر جہاں رہتا ہے دل
ہو اگر ممکن وہیں جا کر رہیں

O

میں اکیلا تھا اکیلا چل پڑا
ہمسفر تھا میرا لمبا راستہ

کیا ہوئے وہ دن کہاں راتیں گئیں
جب ہمارا مرنا جینا ایک تھا

خواہشیں اتنی زمانے چاہئیں
زندگی دو چار دن کا سلسلہ

جیسے تیسے گھر کے اندر کاٹ دی
کوئی روزن کوئی دروازہ نہ تھا

بھول جاتے پیار کے دو دن ہی تھے
ہم وفا کیشوں میں کب تھا حوصلہ

آندھیاں طوفان سرکش بارشیں
دل کا ننھا سا دیا جلتا رہا

اک دھڑکتا دل مرے سینے میں تھا
جانے اس کو کون کیسے لے اڑا

☆☆☆

☆

لوگوں کو بھوک پیٹ نے دیوانہ کر دیا
تم کو پڑی ہوئی ہے عذاب و ثواب کی
تھا رقص میں فلک، زمیں نغمہ بار تھی
کیا پوچھتے ہو ہم سے، ہمارے شباب کی

عمر کا آسیب

کتنی یادیں حسین وسحر انگیز
کتنی باتیں گلاب سی باتیں
کتنے دن رات گلشن وگلزار
کتنے لمحے حسین ودلآویز
کتنی گھڑیاں وصال کی گھڑیاں
لذتیں ساری عمر کا آسیب
لے اڑا جانے کس خرابے میں
کہنہ سالی نے چاٹ لی یادیں
اک کھنڈر ہیں دماغ ودل اپنے
صبحیں بےلطف شام بےآواز
ہاں کبھی یاد کے جھروکے سے
بھولے بسرے ہوئے خیال وخواب
چپکے چپکے سے جھانک لیتے ہیں
اور کبھی رنگ ونور کے سائے
ایک دو پل کو جھلملاتے ہیں

بس یہی کچھ ہے زندگی اب تو
بڑھتی جاتی ہے بے بسی اب تو
یہ بڑھاپا بڑی قیامت ہے
آدمی خود کو بھول جاتا ہے
کبھی روتا ہے مسکراتا ہے
کوئی بھی اب نظر ملاتا نہیں
کوئی بھرتا نہیں ہے بانہوں میں
دھوپ اگنے لگی ہے چھاؤں میں
یہ بڑھاپا بڑی قیامت ہے
دل تو کیا ذہن چھین لیتا ہے
بس یہی زیست کی کہانی ہے
پر کہانی بہت پرانی ہے

☆☆☆

☆

ہے مجھے علم ترے درد کی شدت کیا ہے
میرے پہلو میں یہی درد اٹھا کرتا ہے

o

حاصلِ ماہ و سال لاحاصل
حسنِ خواب و خیال لاحاصل

وہ جواباً سوال کرتا ہے
اُس سے کوئی سوال لاحاصل

زندگی اپنے ڈھب سے چلتی ہے
ہوئے رنج و ملال لاحاصل

چاند چہروں کا دور بیت گیا
سحرِ حسن و جمال لاحاصل

زندگی سلسلہ ہے زخموں کا
خواہشِ اندمال لاحاصل

صرف ڈینگیں ہیں اور کچھ بھی نہیں
معجزات و کمال لاحاصل

☆☆☆

☆

ہر کوئی بے سروپا سوچ میں گم
ہر کوئی اپنی جگہ سوچ میں گم
کوئی خواہش بھی نہ لب پہ مچلی
میں رہا وقتِ دعا سوچ میں گم

o

آس کچھ بندھاؤ نا! کچھ سکون مل جائے
کچھ یقیں دلاؤ نا، کچھ سکون مل جائے

زیست کے شبستاں میں، اپنی پیاری صورت کا
چاند جگمگاؤ نا، کچھ سکون مل جائے

وصل کا کوئی نغمہ، ہجر کا کوئی نوحہ
کچھ تو گنگناؤ نا، کچھ سکون مل جائے

پھول مسکراتے ہیں شاخ شاخ پر ہر سو
تم بھی مسکراؤ نا، کچھ سکون مل جائے

جان! کب سے پیاسا ہوں، ساحلِ سمندر پر
پیاس کچھ بجھاؤ نا، کچھ سکون مل جائے

پھر حسین سے لمحے، کیا خبر کہ کب آئیں
دو گھڑی تو آؤ نا، کچھ سکون مل جائے

باتیں کتنی کر لی ہیں اور کتنی باتیں ہیں
کچھ سنو سناؤ نا، کچھ سکون مل جائے

☆☆☆

☆

سنا ہے اس کا اپنا ہی مزہ ہے
چلو آؤ محبت کر کے دیکھیں
سیاست بھی تو جادو کی چھڑی ہے
چلو ہم بھی سیاست کر کے دیکھیں

O

زخم بھرتے گزار دی میں نے
کچھ تو بگڑی سنوار دی میں نے

اس کا ہنستا تھا میری کمزوری
ہر ہنسی اس پہ وار دی میں نے

میں نے چاہا کہ بس وہی جیتے
جیتی بازی بھی ہار دی میں نے

حرف پھولوں سے دشت مہکائے
ہر خزاں کو بہار دی میں نے

جب کسی نے ضرورتاً مانگی
اپنی جاں بھی اُدھار دی میں نے

اپنا جو فرض تھا وہ پورا کیا
دی اذاں، بار بار دی میں نے

اپنے حصے کی جنگ لڑتا رہا
ظلم کو کچھ تو مار دی میں نے

☆☆☆

☆

مطلعٔ دل پہ دو گھڑی کے لیے
جگمگاؤ تو بات بن جائے

کرونا

اس کرونا میں بے شمار گئے
زندگانی کی جنگ ہار گئے
کتنے معصوم جان دے بیٹھے
کتنے قدرت کے شاہکار گئے

کون کہتا ہے مختصر ہے حیات

کون کہتا ہے مختصر ہے حیات
کتنی لمبی ہیں ہجر کی راتیں
درد کے دن پہاڑ لگتے ہیں
خوف کے پَل طویل صدیوں سے
پاس گھڑیاں ہیں دن قیامت کے
ہم ہیں اور وقت کا سمندر ہے
ہم ہیں اور ایک دشتِ تنہائی
کون کہتا ہے مختصر ہے حیات
کون کہتا ہے زندگی کم ہے
زندگی کا کوئی کنارہ نہیں
دردِ ہستی کا کوئی چارہ نہیں

O

ہست و بود کا گورکھ دھندہ افسانہ سا لگتا ہے
جس کو دیکھیے جس کو ملیے دیوانہ سا لگتا ہے

سارے بندھن رشتے ناطے دیکھتے دیکھتے ٹوٹ گئے
جس جس کو گنتے تھے اپنا بیگانہ سا لگتا ہے

پوجے کوئی دولت کے بت کوئی جاہ و منصب کے
ہم کو تو سنسار ہی سارا بت خانہ سا لگتا ہے

کس کو فرصت کون سنے گا جانے کتنے دھندے ہیں
مہر و وفا کے نغمے گانا بچگانہ سا لگتا ہے

گلیاں وہیں ہیں گھر بھی وہیں ہیں رہنے والے بدل گئے
اپنا گھر بھی اس کا بھی بیگانہ سا لگتا ہے

لمحہ

زیست سفر میں کوئی لمحہ
ایک زمانہ بن جاتا ہے
ایک فسانہ بن جاتا ہے

O

اب گُلوں کو مسکرانا بھول جانا چاہیے
نور و نکہت کا زمانہ بھول جانا چاہیے

آنسوؤں کو پونچھنے والا زمانہ لد گیا
آنکھ کو آنسو بہانا بھول جانا چاہیے

حسن کی جویا نگاہیں یادِ ماضی بن گئیں
حُسن کو جادو جگانا بھول جانا چاہیے

زندگی ہے اک حقیقت اور کتنی تلخ ہے
خواب آنکھوں میں سجانا بھول جانا چاہیے

چہچہاؤ غل مچاؤ اَب قفس ہے زندگی
طائرو! اب آب و دانہ، بھول جانا چاہیے

☆☆☆

☆

تو اپنی کہے جاتا ہے میری نہیں سنتا
اے دوست! تیرے پاس دلائل ہی نہیں ہیں

O

وہ جو خود کو خدا سمجھتے ہیں
ہر سِتم کو روا سمجھتے ہیں

ہم سمجھتے ہیں ان کو جانِ غزل
جانے وہ ہم کو کیا سمجھتے ہیں

جانے کس شاخ پہ کھلا ہے وہ گل
خوشبوؤں سے پتہ سمجھتے ہیں

اس کا اک نام بزمِ ناز میں ہے
سب اسے خوش ادا سمجھتے ہیں

چل رہی ہے گلی گلی صر صر
ہم اُسے بھی صبا سمجھتے ہیں

ان کا احسان ہے فقط اتنا
وہ مری اِلتجا سمجھتے ہیں

☆☆☆

☆

کبھی ہوتا تھا انساں اللہ بخشے
ہمیں انساں کی یاد آنے لگی ہے
دھڑکتا تھا کبھی پہلو میں پہروں
دلِ ناداں کی یاد آنے لگی ہے

O

اپنے سائے سے ڈرتے رہتے ہیں
اپنی جاں سے گزرتے رہتے ہیں

عمر بھر خواب دیکھتی ہے حیات
عمر بھر خواب مرتے رہتے ہیں

غم کا دریا کبھی اترتا نہیں
کتنے دریا اُترتے رہتے ہیں

موت کا دن کہاں مقرر ہے
ہم تو ہر روز مرتے رہتے ہیں

شوقِ پرواز کم نہیں لیکن
ہم پَروں کو کُترتے رہتے ہیں

اگر مر کے زندہ ہوا ہوں تو کیا ہے
کہ مرنے سے پہلے بھی اک آگ میں تھا
یہی آگ اب ہے یہی آگ تب تھی
یہی آگ دائم
میں اک خواب میں ہوں
میں کس خواب میں ہوں
جہنم میں ہوں کہ جہنم سے باہر
یہاں ہوں وہاں ہوں
سبھی ایک سا ہے

☆☆☆

☆

لوگ دیتے ہیں زندگی کی دعا
کتنا مشکل ہے عمر بھر جینا
روز اک رات راہ میں حائل
ہر نئے دن کی آس پر جینا

o

زندگانی ہے اِک سفر تنہا
میں اکیلا ہوں رہ گزر تنہا

کس سے بولوں میں، کس سے بات کروں
کوئی محفل ہو، میں مگر تنہا

دن کی تنہائیاں بھلاتا رہا
جب بھی جاگا ہوں رات بھر تنہا

کوئی چٹھی سفارشی کوئی فون
کیا کرے گا مرا ہنر تنہا

کتنے منظر ہیں دیدنی منظر
کیا کرے گی مری نظر تنہا

اپنے ہونے کے وَرد میں غلطاں
اک پرندہ ہے شاخ پر تنہا

☆☆☆

☆

اجڑا بکھرا ہے شہرِ قلب و نظر
قہقہے بھی اُداس لگتے ہیں
سادگی زیبِ تن کیے ہوئے لوگ
کس قدر خوش لباس لگتے ہیں

o

ہاں کہو! اس میں کیا برائی ہے
بس ذرا بزمِ دل سجائی ہے

اس کو مرنے سے ڈر نہیں لگتا
زندگی جس کو راس آئی ہے

سرنگوں دل نگاہیں سجدہ کناں
کس قیامت کی کج ادائی ہے

کس پَری وش کی پیش قدمی کو
ہنستے گاتے بہار آئی ہے

کون گلشن میں حکمراں ہے آج
ہر کلی کھل کے مسکرائی ہے



میں سرابِ جستجو میں کھو گیا، زندگی میری تماشا بن گئی
مجھ کو لاحاصل سے حاصل کیا ہوا، زندگی میری تماشا بن گئی

میں نے جو لکھا پڑھا بیکار تھا میں کوئی میدان کیسے مارتا
جیت کر بھی ہر قدم پر ہارتا زندگی میری تماشا بن گئی

زندگی دراصل اک بازار تھا، میرا اس بازار میں کیا کام تھا
میں لئے پھرتا رہا مہر و وفا زندگی میری تماشا بن گئی

جانتا تھا راستہ دشوار ہے کوئی ہمدم ہے نہ کوئی یار ہے
جوش میں آیا اکیلا چل دیا زندگی میری تماشا بن گئی



سوز و سازِ درد سے بیگانہ کس نے کر دیا
میں حقیقت تھا مجھے افسانہ کس نے کر دیا

کیا ہوا یارو عروسِ زندگی کا بانکپن
ہنستے بستے شہر کو ویرانہ کس نے کر دیا

اتنی شانِ بے نیازی اس قدر معصومیت
پوچھتے ہو مجھ سے تم دیوانہ کس نے کر دیا

کون کافر تھا مرا ایماں اُڑا کر لے گیا
کعبۂ دل کو مرے بُت خانہ کس نے کر دیا

زندگی میری فقط اک جام بن کر رہ گئی
مجھ کو مے کش، آپ کو میخانہ کس نے کر دیا

o

کیوں چاند ستاروں کو چمکنے نہیں دیتے
کلیوں کو سرِ شاخ چٹخنے نہیں دیتے

کیا سحر ہے جادو ہے ترا حُسن سراپا
ہم آنکھ کو اک پَل بھی جھپکنے نہیں دیتے

دو چار ٹپک جاتے ہیں بے ساختہ آنسو
جو آتشِ سوزاں کو بھڑکنے نہیں دیتے

یہ زیست کی راہیں ہیں کہ ہیں بھول بھلیاں
آنکھوں میں سجے خواب بھٹکنے نہیں دیتے

حد درجہ ہیں سفاک مرے پیار کے دشمن
آغوش میں بھی دل کو دھڑکنے نہیں دیتے

o

کون دیوانہ بناتا ہے مجھے
بے پر و بال اُڑاتا ہے مجھے

میں ترے فون پہ بَیل دیتا ہوں
جب کوئی درد رُلاتا ہے مجھے

ایک آسیب تو خود میں بھی ہوں
ایک آسیب ڈراتا ہے مجھے

میں ہر اک شام کو بجھ جاتا ہوں
فرض ہر صبح جگاتا ہے مجھے

میرے وجدان کا احساسِ جمال
نت نیا روز بناتا ہے مجھے

کون دیکھے گا کسے دکھلاؤں
روز و شب جو نظر آتا ہے مجھے

دشتِ افکار کے ہر ذرّے میں
ایک طوفاں نظر آتا ہے مجھے

جب ڈبوتا ہے مجھے کوئی یقیں
وہم بڑھ بڑھ کے بچاتا ہے مجھے

☆☆☆

☆

بے علم سے جاہل سے اُلجھنا نہیں اچھا
خاموش رہو! بات بڑھانا نہیں اچھا

تنہائی

میری مونس ہے میری تنہائی
مجھ سے ہر بات کھل کے کرتی ہے
میں اسے اپنے دکھ بتاتا ہوں
اپنی ہران کہی سناتا ہوں
مجھ سے یہ ہمکلام ہوتی ہے
ہمتوں کا پیام ہوتی ہے
میں ہر اک درد بھول جاتا ہوں
الجھنیں الجھنیں نہیں رہتیں
درد شعروں میں ڈھلنے لگتے ہیں
دل کے ارماں نکلنے لگتے ہیں
میری مونس ہے میری تنہائی
مجھ کو ماضی میں لے نکلتی ہے
اور یادوں کے کوکب و مہتاب
مطلعِ دل پہ جگمگاتے ہیں

کیسے کیسے خیال آتے ہیں
جانے کس کس سے بات ہوتی ہے
ایک دو پل کو کھو سا جاتا ہوں
درد و غم سارے بھول جاتے ہیں
میری مونس ہے میری تنہائی

☆☆☆

☆

دل کے احکام آمرانہ تھے
پتھروں سے بھی پیار کرنا پڑا
زندگی ہم کو ایک بار ملی
پر ہمیں بار بار مرنا پڑا

O

دن تو نکلا تھا رات ہی نہ ہوئی
جانے والوں کی واپسی نہ ہوئی

چاند نے شب کو دن بنا ڈالا
پر مرے گھر میں روشنی نہ ہوئی

سینکڑوں بار تن سے جاں نکلی
ہم سے اک بار خودکشی نہ ہوئی

ہم کو توقیرِ درد تھی منظور
دل نے چاہا بھی، دِل لگی نہ ہوئی

جو خدا ہم نے خود تراشے تھے
اُن خداؤں کی بندگی نہ ہوئی

جب میرے روز و شب نہیں میرے
اک تمسخر ہے زندگی نہ ہوئی

جس کو پڑھ کے نہ پھڑکے حسنِ جمال
کچھ بھی کہہ لیں وہ شاعری نہ ہوئی

☆☆☆

☆

اک پری وش کی پذیرائی کو
میں نے رستے میں بچھا دیں آنکھیں
ایک منظر ہی بہت ہے مجھ کو
میں نے دریا میں بہا دیں آنکھیں

o

چند خوابوں کے سوا، کچھ بھی نہیں
زندگی بے سروپا، کچھ بھی نہیں

ایک دو سانس لیے پھرتے ہیں
کاسۂ جاں میں رہا کچھ بھی نہیں

چند یادوں کے کھنڈر ہیں باقی
دل کے صحرا میں بچا کچھ بھی نہیں

وہ جو تم ہو، تو مرا سب کچھ ہے
اب میرے پاس مرا کچھ بھی نہیں

تم نے بیکار جَلا رکھا ہے
دن ہو روشن تو دِیا کچھ بھی نہیں

بس توہم ہیں چلے آتے ہیں
یہ پَری بھوت بلا، کچھ بھی نہیں

☆☆☆

☆

جو میرے زخموں کو بھر گیا ہے
مجھے تو برباد کر گیا ہے
کوئی تو انساں کو حوصلہ دے
وہ اپنے ہونے سے ڈر گیا ہے

لغتِ دل

سارے الفاظ لغتِ دل کے
گفتگو کی زباں سے خارج ہیں
کوئی بھی لفظ دل کے پاس نہیں
جس کا مطلب کوئی سمجھتا ہو
دل پریشان بات کیسے ہو
درد کا کوئی ذکر کیسے ہو
درد ہے جاں کو کھائے جاتا ہے
نت نئے ظلم ڈھائے جاتا ہے
زندگی کو رلائے جاتا ہے
جسم کو چاٹتا ہے شام وسحر
روح کو بےقرار کرتا ہے
زیست کے بس میں کوئی سانس نہیں
کوئی اُمید کوئی آس نہیں
سارے الفاظ لغتِ دِل کے

گفتگو کی زباں سے خارج ہیں
گنگ ہیں خواہشیں، تمنائیں
دل کو کچھ بھی دکھائی دیتا نہیں
اس کو کچھ بھی سجھائی دیتا نہیں
پھر بھی کم بخت چپ نہیں رہتا
جانے کیا کیا سوال کرتا ہے
روز جیتا ہے روز مرتا ہے
کوئی تسکیں نہیں قرار نہیں
سارے الفاظ لغتِ دل کے
گفتگو کی زباں سے خارج ہیں

☆☆☆

☆

خریدی تھی بڑے چاؤ سے میں نے
وہ تنہائی مجھے ڈسنے لگی ہے
اکیلے پن کی تنہائی کی خواہش
خود اپنے دام میں پھنسنے لگی ہے

O

زندگی کٹ گئی دوڑتے بھاگتے
ہانپتے کانپتے، ہانپتے کانپتے

آج تم بول لو، زندگی ہے یہی
ہم تو تھک ہی گئے بولتے بولتے

ہارے لیکن کبھی ہار مانی نہیں
گر پڑے، اُٹھ گئے، دوڑتے دوڑتے

راستے مل گئے منزلیں مل گئیں
کتنے جاں سے گئے کھوجتے کھوجتے

اتنی دنیائیں ہیں دیدنی، کیا خبر
کتنے آئے گئے دیکھتے دیکھتے

پھر نہ جاگے کبھی، نہ جگائے گئے
آنکھ ایسی لگی جاگتے جاگتے

☆☆☆

☆

کیا حسیں شعر ہونے لگتے ہیں
کتنا احسان ہے حسینوں کا

☆

سینکڑوں پیار اور کرنے ہیں
سینکڑوں پیار کر کے دیکھ لیے

O

ایک اک کر کے دن گزرنے لگے
روزِ اوّل سے ہم تو مرنے لگے

وقت نے ہم کو ہم سے چھین لیا
جتنے کھائے تھے زخم بھرنے لگے

اک نظر کی عطا ہے ذوقِ جمال
ہم بھی بننے لگے سنورنے لگے

موت کے منہ میں جینا سیکھ لیا
جو ڈراتے تھے ہم کو، ڈرنے لگے

ماہ تو اپنی دسترس میں نہ تھا
ماہ پاروں سے پیار کرنے لگے

مجھ نجومی کو ہاتھ دکھلانے
آسماں سے نجوم اُترنے لگے

اک مصیبت بنی تھی بیکاری
ہم حسینوں سے پیار کرنے لگے

کچھ حسیں چاہتوں کی یادوں سے
اپنا کشکول عمر بھرنے لگے

جیسے تیسے گزار دی ہم نے
آج سمٹے تو کل بکھرنے لگے

☆☆☆

☆

میں اپنی "میں" سے باہر آ گیا ہوں
مجھے اپنا تماشا دیکھنا ہے

O

ہم دل و جان لٹانے سے رہے
عشق میں اشک بہانے سے رہے

ہم ہیں جس حال میں، آئیں، دیکھیں
ہم در و بام سجانے سے رہے

یہ تو معلوم ہے مٹنا ہے ہمیں
درد و غم ہم کو مٹانے سے رہے

پھر بھی یہ تیرِ نظر ہم کو لگا
گو بہت دُور نشانے سے رہے

دل لرز اُٹھتا ہے تعبیروں سے
آنکھ میں خواب سجانے سے رہے

O

تو نے جینے کا حوصلہ دے کر
زندگانی حرام کر ڈالی

تو نے مانگا تھا ایک پل، ہم نے
زندگی تیرے نام کر ڈالی

ایک صبح تھی میرے دامن میں
تو نے وہ صبح شام کر ڈالی

کتنی لمبی تھی داستانِ حیات
ایک پل میں تمام کر ڈالی

O

سینکڑوں کشتیاں کنارے ہیں
سب کے سب عارضی سہارے ہیں

موت بدنام ہے یونہی ورنہ
اَن گنت زندگی کے مارے ہیں

جیت ان کی ہمیں مقدم تھی
ہم تو اپنی رضا سے ہارے ہیں

ہم کو ہر اک پہ پیار آتا ہے
ہم کو دشمن بھی اپنے پیارے ہیں

ہم ہیں تیرے جمال میں شامل
ہم نے گیسو تیرے سنوارے ہیں

مانگے تانگے پر زیست مت اترا
تیرے سب بال و پر ادھارے ہیں

جتنا دینا ہے میری جاں دے دے
تیرے تھوڑے بھی ہم کو سارے ہیں

تیرے دو بول میری بینائی
تیرے الفاظ چاند تارے ہیں

☆☆☆

☆

ہمارا جسم فقط ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے
ہمارے خون سے جانے شباب کب نکلے

☆

کوئی تو اب تلاش لے مجھ کو
بھول آیا کہاں خدا جانے

O

زمیں پر آسماں گرنے لگا ہے
نشانِ آدمی مٹنے لگا ہے

میں کس کس پھول پہ آنسو بہاؤں
کہ سارا گلستاں جلنے لگا ہے

وہ جس قاتل نے سب کو مار ڈالا
وہ اب اپنی طرف بڑھنے لگا ہے

میرے پیارو! میری آنکھوں کے تارو!
چراغِ زندگی بجھنے لگا ہے

قیامت ہے کہ بازارِ ہوس میں
سبھی کھوٹا کھرا چلنے لگا ہے

میں کیسے، کس طرح دل کو سنبھالوں
وہ کچھ میری طرف بڑھنے لگا ہے

☆☆☆

☆
میں کس کو بے وفا بے درد لکھوں
ہر اک بے درد ہے اور بے وفا ہے
☆
سامنے تھا وہ در میں نے دستک نہ دی
سوچتا ہوں میں کیا سوچتا رہ گیا

O

زندگی کرب و بلا کیسے جئیں
اے خدا! تو ہی بتا کیسے جئیں

ہم ہیں اور سر پہ جھلتا سورج
اے میری بادِ صبا کیسے جئیں

ہم کہ ہیں سادہ نظر سادہ مزاج
زندگی بے سروپا کیسے جئیں

بستی بستی میں خدا بستے ہیں
ہم کہ انسان ہیں بھلا کیسے جئیں

زندگی ایک سفر، لمبا سفر
اور ہم آبلہ پا کیسے جئیں

سازِ ہستی کے سبھی سُر خاموش
موت ہے نغمہ سَرا کیسے جئیں

☆☆☆

☆

میں ہر رستے پہ گل پاشی کروں گا
کسی راہ سے تو وہ گزرے گا آخر!

☆

ہمیں تو ایک ہونا چاہیے تھا
یہ دیواریں مزاحم ہو رہی ہیں

O

ذہن، کشکول میں رہ گئی بے کلی
کیا ہوئے فلسفے کیا ہوئی شاعری

تیری میری نگاہوں کو دھوکا ہوا
تیرگی کو سمجھتی رہیں روشنی

وقت کے قہر میں کیا سے کیا ہو گئیں
صورتیں، مورتیں، چاند سی، پھول سی

دن چڑھا تھا نئے کارواں قافلے
رات کی بزم بس رات تک ہی سجی

اَن گِنت راستے اَن گِنت منزلیں
جانے کیوں کس جگہ تھم گئی زندگی

میں جو رویا تو گلشن بھی رونے لگا
میں ہنسا دفعتاً ہنس پڑی ہر کلی

☆☆☆

☆

جیت جاتے خدا ہی بن جاتے
یہ تو اچھا ہوا کہ ہار گئے

☆

بام و در مجھ سے بات کرتے ہیں
کوئی آسیب میرے گھر میں ہے

☆

عجب رومان ہے اس زندگی میں
مجھے اچھی لگی خانہ بدوشی

O

ہر شخص اک سوال تھا میں سوچتا رہا
کچھ بولنا محال تھا میں سوچتا رہا

کیا حُسن تھا جمال تھا میں سوچتا رہا
اک آدمی کمال تھا میں سوچتا رہا

تشکیک سے یقین تک کتنا ہے فاصلہ
مشکل بہت سوال تھا میں سوچتا رہا

اک پھول ہاتھ میں تھا میری آنکھ کھل گئی
کیا خواب تھا خیال تھا میں سوچتا رہا

ہاں! وصل اور فراق کا رشتہ اٹوٹ ہے
دل درد سے نڈھال تھا میں سوچتا رہا

اک عشق دل لگی کے سوا اور کچھ نہ تھا
اک عشق لازوال تھا میں سوچتا رہا

میرے شعور نے مجھے دیوانہ کر دیا
نعمت تھا یا وبال تھا میں سوچتا رہا

☆☆☆

☆

غلط ہے جو نصابوں میں لکھا ہے
میں فطرت کی کتابیں پڑھ رہا ہوں

☆

ہم اندھیروں کو اُجالوں میں بدل سکتے ہیں
ہم کو آتا ہے ابھی دیپ بنانے کا ہنر

☆

میں نظر پاس رکھ کے کیا کرتا
جب کوئی چیز دیدنی ہی نہ تھی

O

دل ہے دریائے محبت پھر رواں ہو جائے گا
ذرہ ذرہ خاکِ جاں کا کہکشاں ہو جائے گا

آس کی بیساکھیوں پر چل رہی ہے زندگی
جانے کیا کیا اس جہاں میں ناگہاں ہو جائے گا

میرے مسلک میں مری جاں! ناامیدی ہے حرام
آج جو نامہرباں ہے مہرباں ہو جائے گا

ٹوٹ کر برسیں گے بادل ایک دن تم دیکھنا
چپہ چپہ اس زمیں کا گلستاں ہو جائے گا

اک ادائے دلبرانہ اک نگاہِ التفات
نخلِ صد سالہ مچل کر نوجواں ہو جائے گا

جانے کب سے ہے رقم تاریخ کے اوراق پر
یہ زمانہ آج کا کل داستاں ہو جائے گا

☆☆☆

☆

دانشوروں کے عمر بھر آنسو نہ تھم سکے
بے علم زندگی کے مزے لوٹتے رہے

☆

مری آواز جس کی زندگی تھی
مری آواز سن کے ڈر گیا ہے

☆

میری بھوتوں سے یاری ہو گئی ہے
مجھے انساں سے خوف آنے لگا ہے

o

گر کسی نے مجھ سے ہنس کر بات کی
ہر خوشی میں نے اُسی پہ وار دی

میں نے بس دیکھا تھا اُس کو ایک بار
کیا عجب صورت تھی، اک تصویر تھی

میں کہیں ٹھہرا تھا دو پل کے لیے
میں وہیں پر چھوڑ آیا زندگی

غم زدہ لوگوں میں جانے کتنی بار
بانٹ ڈالی اپنے حصے کی خوشی

نوچ ڈالا آسماں سے کس نے چاند
چھین لی راتوں سے کس نے چاندنی

چلچلاتی دھوپ میں جائیں کہاں
گھٹ رہا ہے سایۂ دیوار بھی

☆☆☆

☆

ذرا سوچو! میں کیسے بھول جاؤں
اسے جو دل کی دھڑکن بن گیا ہو

☆

میں کہیں خود کو بھول آیا تھا
تم کہاں سے تلاش لائے ہو

☆

تنِ تنہا سفر نہیں کٹتا
کوئی تو ہمسفر سفر میں ملے

O

دل میں جینے کا ولولہ بھی نہ تھا
اور مرنے کا حوصلہ بھی نہ تھا

تم نے آنکھیں نکال دیں اس کی
وہ جو آنکھوں سے دیکھتا بھی نہ تھا

تم نے تصویر کھینچ لی کیسے
میں وہاں پہ کبھی گیا بھی نہ تھا

عمر بھر میری عمر جیتا رہا
وہ کہ جس کو مرا پتہ بھی نہ تھا

عمر بھر کی قیامتیں لکھ دیں
میں کہ دو چار دن جیا بھی نہ تھا

پھر ترے پاس لوٹ آیا ہوں
اب کوئی اور راستہ بھی نہ تھا

بات فی الفور ذہن میں بھی نہ تھی
بات کرنے کا حوصلہ بھی نہ تھا

☆☆☆

☆

خاموشیوں پہ میری گماں سازشوں کا تھا
اور بولنے لگا تو زباں کاٹ دی گئی

☆

چلو دو اک مناظر قید کر لیں
حسیں رُت جانے پھر آئے نہ آئے

☆

اک دیکھنا مرا اسے اچھا نہیں لگا
نابینا شہر نے مری آنکھیں نکال دیں

o

مجھے ہر وقت اپنا سامنا ہے
جو بویا ہے مجھی کو کاٹنا ہے

ابھی آنکھوں میں ظالم روشنی ہے
نہ جانے اور کیا کیا دیکھنا ہے

مجھے خوابوں سے خوف آنے لگا ہے
مجھے اب جاگنا ہی جاگنا ہے

ابھی آغوش کی خواہش ہے زندہ
ابھی باقی بدن میں بچپنا ہے

جو اپنا درد و غم ہے وہ تو ہے ہی
کسی کا درد و غم بھی بانٹنا ہے

تمہارے ساتھ ہیں دوزخ کے در تک
محبت میں بھلا کیا سوچنا ہے

کمر باقی رہے کہ ٹوٹ جائے
بہت سا بوجھ ہے جو لادنا ہے

لکھے ہیں جو تیری چاہت میں نغمے
انہیں جینے کی خاطر بیچنا ہے

سفر کچھ اور باقی رہ گیا ہے
ابھی کچھ اور ہم کو ہانپنا ہے

☆☆☆

☆

جانے کس حسن کی تلاش میں ہیں
دیدہ و دل کہیں ٹھہرتے نہیں

o

شاخِ دل پہ کھلی اک کلی بھول کر
یاد آئی، گئی زندگی بھول کر

ایسا لگتا ہے فطرت کا منشاء نہ تھا
اس کے ہاتھوں بنا آدمی بھول کر

ذرہ ذرہ دمکنے چمکنے لگا
میرے گھر آ گئی چاندنی بھول کر

عشق اپنا دھرے کا دھرا رہ گیا
دہر کی پڑ گئی عشق کی بھول کر

ایک دو پل کی عشرت قیامت بنی
دل کو تھامے پھرا دلبری بھول کر

ایک در بند ہوا سینکڑوں کھل گئے
جانے کیا کچھ ملا بے بسی بھول کر

روز اک چاند کو آنکھ میں بھر لیا
ہم نے ہر روز کی خودکشی بھول کر

افسری کا مزہ افسری میں نہیں
افسری ہم نے کی افسری بھول کر

☆☆☆

☆

موت کا خوف کھائے جاتا ہے
زندہ رہنے کا حوصلہ بھی نہیں
اس کے ہر در پہ میرا نام رقم
جس گلی میں کبھی گیا بھی نہیں

O

مجھ کو ہونے کی سزا کافی ہے
بس یہی ایک بلا کافی ہے

تم کو ہر لمحہ خداؤں کی تلاش
ہم کو بس ایک خدا کافی ہے

ہم کو انسان بنانے کے لئے
اک دلِ آبلہ پا کافی ہے

موت کو روند کے لوٹ آؤں گا
بس تری ایک صدا کافی ہے

عرش کو چاند ستارے درکار
فرش کو ایک دیا کافی ہے

میرے دیوانِ محبت کے لئے
حسن کی ایک ادا کافی ہے

زیست کی شب ہے گزر جائے گی
سخنِ بے سروپا کافی ہے

ایک دو حرفِ محبت اقبالؔ!
میرے ماتھے پہ لکھا کافی ہے
☆☆☆

☆

آسماں پر چاند تارے کہکشاں
اور زمیں پر تیرگی ہی تیرگی

o

کچا گھر اور کچا رستہ ہاں نا! یاد ہے مجھ کو اب تک
اک ننھا سا پیار گروندہ ہاں نا! یاد ہے مجھ کو اب تک

ایک پری وش چاند سی صورت دلکش اور دلدار سی مورت
اک دیوانہ، جلتا صحرا ہاں نا! یاد ہے مجھ کو اب تک

ایک تمنا لئے پروں پر گلشن گلشن پھرتی تھی
ایک سجیلا سُندر سپنا ہاں نا! یاد ہے مجھ کو اب تک

ایک جھلستا دن تھا میں تھا، ایک لق و دق صحرا تھا
پھر اک بادل ٹوٹ کے برسا ہاں نا! یاد ہے مجھ کو اب تک

چاندنی راتیں ٹھنڈی ہوائیں قلب و نظر میں اک ہلچل
جذبوں کا اک بہتا دریا ہاں نا! یاد ہے مجھ کو اب تک

o

جان سے گزرنا ہے زندگی بسر کرنا
عمر بھر کا مرنا ہے زندگی بسر کرنا

سیڑھیاں نہیں پھر بھی آرزو کے شانوں پر
چڑھنا ہے اترنا ہے زندگی بسر کرنا

پھر سمیٹ لیتا ہوں جانے کس طرح خود کو
رات دن بکھرنا ہے زندگی بسر کرنا

ایسے ویسے لوگوں کے دل کو جیتنے کے لئے
بننا اور سنورنا ہے زندگی بسر کرنا

ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر ٹیڑھے میڑھے رستوں پر
عمر بھر کا دھرنا ہے زندگی بسر کرنا

o

نئے گردوں بنانے میں لگا دی جان کی بازی
نئی دھرتی بچھانے میں لگا دی جان کی بازی

نظر کے پار کیا کچھ ہے تجسس کھا گیا مجھ کو
نظر کے پار جانے میں لگا دی جان کی بازی

ہزاروں بُت تھے اک اک کر کے ہم نے پاش کر ڈالے
یہ ہمت آزمانے میں لگا دی جان کی بازی

خزاں کے بانجھ موسم میں فسردہ شاخِ ہستی پر
گل و سوسن اُگانے میں لگا دی جان کی بازی

میں کُبڑا ہو گیا ہوں بارِ سنگ و خشت ڈھونے میں
فقط اک گھر بنانے میں لگا دی جان کی بازی

کسی کا دل لگانا زندگی بھر کی عبادت ہے
کسی کے دل لگانے میں لگا دی جان کی بازی

☆☆☆

☆

پیار کرنا نہ بھول کر یارو
آدمی ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے

☆

جب کبھی زندگی ستاتی ہے
ہم ترے پاس دوڑ آتے ہیں

O

کئی پیان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے
کئی احسان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

ابھی تو عشق کا آغاز ہے، آغاز اچھا ہے
بڑے میدان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

ابھی تو ایک ہی دربان سے مڈھ بھیڑ جاری ہے
بہت دربان باقی ہیں،مجھے کچھ اور جینا ہے

بہت سے خواب ہیں جو ہر گھڑی بے تاب رکھتے ہیں
کئی ارمان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

بہت سی آندھیاں ہیں، جن کا استقبال کرنا ہے
ابھی طوفان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

وہ جن سے مِل کے میری زیست کی تکمیل ہونی ہے
کئی انسان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

قویٰ میں اب بھی ہمت ہے ستاروں کو اُچکنے کی
مرے اوسان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

ابھی تو حسنِ بے پرواہ کو بانہوں میں بھرنا ہے
گل و ریحان باقی ہیں مجھے کچھ اور جینا ہے

☆☆☆

☆

ہمارا گھر بحمد اللہ ابھی آباد ہے لیکن
وہاں اب ہم نہیں رہتے وہاں جنات رہتے ہیں
ابھی تک حکمرانی ہے جہالت کی زمانے پر
تواہم کے کچھوے رات دن ہم اب بھی سہتے ہیں

مطبوعات

شاعری:

1۔ساحلِ تشنہ لب (1982)
2۔سوالیہ نشان (دوایڈیشن) (1989)(1993)
3۔اِک ہمسفر اچھا لگا (1998)
4۔تلاوتِ دل (مجموعہ حمد و نعتؐ) (1998)
Love's no Crime۔5 (2005)
6۔یہ کافر دِل نہیں مانا (2007)
7۔اُس کے نام (2014)
8۔نہ عشق نوں لیکاں لائیں (2016)
9۔ابھی زندگی کا جواز ہے (2017)
10۔کس کی یاد آ گئی! (2022)

تنقید:

1۔جون ڈن شخصیت اور شاعری (1993)
2۔اِقبال، بحضورِ اقبال (1999)
3۔جون کیٹس شخصیت اور شاعری (2001)

نثر:

1۔ذوقِ تماشا (1993)
2۔جہانِ مہ و پرویں (1997)

3۔ دیدۂ دل (1998)

4۔ کب رات بسر ہوگی (2001)

5۔ آشوبِ آگہی (2007)

6۔ مجھے ہے حکمِ اذاں (2012)

7۔ ڈپریشن، علامات، اسباب اور علاج (2013)

8۔ یا اللہ! (2018)

9۔ اُوٹ پٹانگ (انشائیے) (2020)

خودنوشت:

1۔ پردۂ سیمیں سے (چند سوانحی جھلکیاں) (2009)

زیرِ طبع:

1۔ فکروخیال (مضامین)

2۔ The Impact of British Poets on Iqbal (پی۔ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ)

☆☆☆